ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

فروری 2024ء ۔ شعبان 1445ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

شمارہ 02 | فروری 2024ء | جلد 32

مدیرِ اعلیٰ

سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	ادب سیمابی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	9
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	13
5	انسانِ کامل	محمد بن علوی المالکی الحسینی	17
6	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	19
7	شب برأت کے بارے چند شبہات کا ازالہ	ڈاکٹر منظور حسین اختر	20
8	حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ	مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی	25
9	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب	حضرت فرید الدین عطار	29
10	مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ	ماسٹر احسان الٰہی	31
11	تاجدار حل اتی	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	33
12	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	34
13	امید ہی زندگی ہے	آصف بلال آصف	35
14	کلمہ طیبہ کے معنیٰ	مولانا شبیر حسن عثمانی	37
15	رپورٹ جشنِ مولودِ کعبہ	ڈاکٹر منظور حسین اختر	39

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

500 روپے

جازکیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس : ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

معراج کے دولہا

جنابِ رحمۃ للعالمیں ﷺ معراج کے دولہا
شبِ اسریٰ خدا سے ہیں قریں معراج کے دُولہا

کبھی ہیں رونقِ فرشِ زمیں معراج کے دولہا
کبھی زیبائشِ عرشِ بریں معراج کے دُولہا

عروسِ لیلۃ الاسریٰ ہے خود اس امر پر حجّت
محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں بالیقیں معراج کے دُولہا

رہیں گی رازِ محشر تک شبِ معراج خلوت میں
وہ باتیں جو خدا نے تم سے کیں معراج کے دُولہا

تمہارے ہی لیے مخصوص تھا معراج کا رتبہ
ملی یہ شان اوروں کو نہیں معراج کے دُولہا

تمہارے ہی لیے حق نے کیے کون و مکاں پیدا
تمہیں ہو لامکاں کے ایک مکیں معراج کے دُولہا

ہوا ہے اور نہ ہوگا کوئی بھی پیدا قیامت تک
جہانِ حسن میں تم سے حسیں معراج کے دُولہا

تمہارا گھر خدا کا گھر تمہارا در خدا کا در
کہ تم ہو عرش و کعبہ کے امیں معراج کے دُولہا

وہ اہلِ فرش ہوں یا عرش والے یہ حقیقت ہے
تمہارے در کے ہیں سب خوشہ چیں معراج کے دُولہا

سر بزمِ جہاں ہو بے سہاروں کا سہارا تم ﷺ
سر محشر شفیع المذنبیں ﷺ معراج کے دُولہا

سر محشر گنہگاروں کو جب لے جاؤ جنت میں
تو لے لینا ادب کو بھی وہیں معراج کے دُولہا

ادب سیمابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربِ الٰہی کا آسان ترین راستہ

دور بہت دور جگمگاتے تاروں کی روشنی میں رشد و ہدایت کے پیکر جنہیں کاملین اور صالحین کی صحبت ملی ہے وہ آسمان سے پھینکے نہیں گئے وہ کسی نہ کسی کامل اور اکمل کی صحبت میں قندیلیں بن کر جگمگائے ہیں۔ یہی وہ مقدس اور مطہر لوگ ہیں جو زمین کی زینت بنے ہیں۔ نسلِ انسانی کا عظیم سرچشمہ بھی یہی لوگ ہیں اور دنیا بھر میں انہی کے فیض کی سوتیں اور ندیاں بہہ رہی ہیں، انہی کو اللہ نے اپنا دوست کہا ہے، یہی وہ اہل رضا و تسلیم ہیں جو جدھر سے گزر گئے اللہ کی یاد اور اللہ سے محبت کی یادگاریں قائم ہوگئی ہیں۔ اس سنگ و خشت کے جہاں میں اللہ سے ان کی محبت ہی ہے جس نے کفر و معصیت کی ظلمتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شناخت "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ" سے کروائی ہے، یعنی یہ ایمان والے اور تقویٰ والے ہیں۔ یہی قدسی صفت لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ قیام و قعود کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا منشور رحمۃ للعلمینی ہوتا ہے۔ وہ اپنی مستعار زندگی میں "افعالِ خیر" کے عاشق ہوتے ہیں۔ تفرقہ اور فرقہ واریت سے ان کو نفرت ہوتی ہے اور وہ خود کو مسلمان کہلانا ہی پسند کرتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن میں ڈوبے رہنا ان کا شعار ہوتا ہے اور اللہ نے ان کے دلوں کو اندھیروں کا چراغ بنایا ہوتا ہے۔ ان سے اگر کوئی عداوت رکھے تو اللہ نے ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ ہر وقت اللہ اللہ کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔

ارباب دانش وصفا!

دنیا اور آخرت کے لحاظ سے احباب محبت کا سب سے بڑا سرمایہ اللہ کی محبت، اس کی عبادت اور اس کا ذکر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسے راستے کی ہدایت فرمایئے جو اللہ تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ قریب اور بندگان خدا کے لیے سب سے زیادہ آسان ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے علی رضی اللہ عنہ! خلوت میں اللہ کا ذکر ہمیشہ کے لیے لازم کرلو!!!

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیث سناتے ہوئے درمیان میں اس امر کی وضاحت کی۔ دیکھو ذکر کی اس قدر فضیلت ہے کہ بندہ اللہ کے ذکر میں ڈوبا رہے، اللہ کے بندے اسی لیے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

ان کے سید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! جب تک ایک بندہ بھی زمین پر اللہ اللہ کرنے والا ہے قیامت قائم نہیں ہوگی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس طرح اللہ کا ذکر کیا کروں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ تم آنکھ بند کرو اور جو میں کہوں اسے سنو پھر آپ نے تین مرتبہ کہا:

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ کلمہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا۔

نزول رحمت کا ایک منظر

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس کے شاہد ہیں۔ شداد فرماتے ہیں کہ میں محفل نور میں حاضر تھا اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے درمیان کوئی اجنبی تو موجود نہیں ہے''، اشارہ اس طرف تھا کہ کوئی کتابی تو محفل میں نہیں ہے۔

ہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں کوئی کافر نہیں ہے''۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ دروازہ بند کردو۔

قدرے سکوت کے بعد ارشاد فرمایا:

''اپنے ہاتھ اوپر کرلو''

''اور کہو لا الہ الا اللہ''

ہم سب نے اپنے ہاتھ اوپر کر لیے اور کچھ دیر کلمہ پڑھتے رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ نیچے رکھے اور فرمایا:

''الحمدللہ! اے میرے پروردگار بے شک تو نے مجھے اس کلمے کے ساتھ مبعوث کیا اور مجھ سے جنت کا وعدہ کیا۔ بلاشبہ تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا''۔

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو بشارت دی کہ اللہ نے تم سب کو بخش دیا''۔

یاد رکھو! یہ وہ عظمت مآب کلمہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں ارشاد فرمایا:

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (سورۃ الفتح:26)

''اور اللہ نے ان پر کلمۂ تقویٰ یعنی کلمہ طیبہ لازم کردیا''۔

بلاشبہ غلامان رسول میں قافلۂ صحابہ قدسی اور عظیم لوگوں کا قافلہ تھا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلمہ سیکھا اور آگے سکھا کر امانت روحانی دوسروں کو منتقل کی اور انہوں نے ہی یہ کلمہ حقیقتاً نافذ کیا اور بے شک وہ انوار پھیلانے کے اہل اور مؤثر تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے۔

شہزادگان کربلا کا عظیم مشن

ایک مستشرق نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے افکار کو سراہتے ہوئے ان کی تعلیمات کا خوبصورت خلاصہ لکھا ہے اور بلاشبہ یہ میں عرض کرنے لگا ہوں کہ صوفیاء کی تعلیمات کا جوہر بھی یہی ہے:

(1) لوگوں کی صحیح روحانی تربیت اور لوگوں کے رویوں، رجحانات اور میلانات میں عمدگی لانا۔

(2) انسانوں کی روح سے نفسیاتی پیچیدگیوں کا خاتمہ اور رذالتیں ان کی طبیعتوں سے نکال پھینکنا اور منفی رجحانات سے انہیں نفرت دلانا۔

(3) انسانوں کے سامنے تاریخی اسباق رکھنا اور ان میں یقین پیدا کرنا کہ ظلم انسان میں تباہی لاتا ہے۔ بلاشبہ ائمۂ سادات کا یہی وہ عظیم کارنامہ ہے کہ لوگوں کو روشنی کی راہ چلایا اور انسانی قافلہ کے سامنے خوبصورت معاشرتی زندگی کے مقاصد رکھے۔

(4) انسانوں میں اللہ کی طرف رغبت پیدا کرنا اور لوگوں کو جرائم سے بچانا۔

(5) اور انسانوں میں یہ سوچ پیدا کرنا کہ وہ اُخروی فلاح کو زندگی کا مقصد جانیں۔

وہ برائیاں جو بندوں کو اجاڑ دیتی ہیں

بزرگوں نے وہ دس چیزیں نقل کی ہیں:

(1) خود پسندی، اسے انگریزی میں ''Self Admiration'' کہتے ہیں۔ خود پسند انسان نہ انسان کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ کسی اچھے انسان سے فیض لے سکتا ہے۔

(2) حسد ایک سرطان ہے جو لوگوں کو اندر ہی اندر سے کھا جاتا ہے۔

(3) آسائشوں سے محبت (Love for ease) عیاشیوں کا پرستار انسان زندگی کی ہر نعمت خود چاٹ لینا چاہتا ہے وہ کسی کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

(4) چوتھی چیز آوارہ لفظوں کا عشق ہے جو کوئی معنیٰ اور مقصد نہیں رکھتے بس مہملات کی تکلیفیں اور کلفتیں بانٹتے ہیں۔

(5) دوسروں پر تکبر خیز برتری پانے کا سفلی جذبہ جب کہ ایک مفکّر نے کہا کہ بندہ اپنی حقیقت سے نہ کم ہوسکتا ہے اور نہ بڑا ہوسکتا ہے۔

(6) دولت کے لیے اندھا بہرا ہوکر ہوس کا پرستار ہوجانا۔

(7) جنسی انارکی۔

(8) خوب تر کی جُستجو نہ ہونا۔

(9) منافقت، دورُخاپن اور جھوٹا پن۔

(10) دوسروں کے حقوق ہڑپ کر جانا۔

یہ ایسے ناسور ہیں جو انسان کو سیدھے راستے سے ہٹا کر گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیتے ہیں۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اپنے پڑھے ہوئے کلمہ کے ساتھ اخلاص کا ربط ہے اور اللہ کے ذکر میں فنائیت ہے، باقی جتنے بھی مسائل ہیں ان کا حل اللہ ہی دینے والا ہے۔ نفوس کے ہمزاد کو مسخر کرنے کے لیے اللہ کا ذکر ہی فائدہ دینے والی دولت ہے۔

سادات اُچ شریف جن کی اولاد ہی میں متکلم بھی ایک فردِ عاجز ہے ان کا روحانی منہج بھی یہی ہے۔

ایمان کی پختگی اور شر کی قوتوں کو دبانے کے لیے مردِ مومن کو عبادت، تقویٰ اور ذکر پر ہی زور دینا چاہیے اور اپنے ذکر کے یہ معانی دل اور عمل میں پختہ کرنے چاہییں۔

ذاکرین کے اوصاف ثمانیہ

ذاکر کی صفت اول یہ ہوتی ہے کہ ذاکر کو معلوم ہو، اس کے روحانی شعور میں یہ بات گہری ہو کہ جب وہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا معنیٰ کیا ہوتا ہے۔ وہ ثابت کیا کر رہا ہے اور نفی کس چیز کی کر رہا ہے۔ معبودان باطل کی وہ تکفیر کرتا ہو، خواہشات نفسانی کو وہ اپنے اوپر مسلط نہ کرتا ہو، وہ چیزیں جو جنت سے محروم کرنے والی ہیں ان سے وہ مکمل بچتا ہو۔ اسم ذات کا تصور کرنے والا بھی ہر غیر کی نفی کرے اور اپنے پورے حواس کے ساتھ اللہ ہی کی طرف رغبت رکھے۔

صفت ثانیہ

ذاکر ایمانی شعور کو کوشش کرے کہ رواں رواں میں آباد کر لے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کو اپنے ذہن، روح اور دل میں پوری طرح مستلزم رکھے اور اپنی ہر ہر حرکت، فعل، اقدام اور سوچ میں اللہ ہی کو مطلوب اور محبوب جانے۔ ایک مغربی مصنف نے کتنی خوبصورت بات لکھی کہ اپنی روحوں، بدنوں اور سامان زیست کو شیطان کے ہاتھ نہ بیچو۔ میں عرض کروں گا کہ انسان کے پاس یہ حقیر سا تحفہ رحمٰن کے لیے ہے ہمیں اسی کے ہاتھ تفویض کرنا چاہیے:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

صفت ثالثہ

صدق اور ارادۂ خالص یہ بیج کی طرح ہیں۔ دلوں کے کھیت میں کوئی فصل کاشت نہیں کی جاسکتی، جب تک قوت ارادی درست اور فعال نہ ہو اور اس میں صدق اور سچائی نہ ہو۔ عوامی زبان میں خلوص اور اخلاص اس جوہر کا دوسرا نام ہے۔ دل مشاہدہ کا عطیہ جھوٹے اور بدنیت انسان کو نہیں دیتا۔ کمزور آرزوؤں سے شاہین محو پرواز نہیں کیے جاسکتے۔ جال کے بغیر دریا سے مچھلی بھی نہیں پکڑی جاسکتی اور پروں کے بغیر اڑا بھی نہیں جاسکتا۔ صوفیہ کے نزدیک یہی وجہ ہے، صدق، اخلاص اور قوت ارادی ان کی بڑی قیمت ہے اس خزانے کے حصول کے لیے کوشش اور تمنا ٹھوس بنیاد پر ہونی چاہیے۔

صفت رابعہ

ذاکر کی چوتھی صفت ادب ہے۔ ذکر انسان میں بندگی اور انسانیت پیدا کرتا ہے اور آدمیت کی یہ پہلی علامت ہوتی ہے کہ کلچرڈ ہونا یعنی ادب کا ظاہر اور باطن میں چھا جانا۔ ادب سالک کے ذکر کرنے کے طریقے میں بھی ہوتا ہے اور جس کا وہ ذکر کرتا ہے اس کا ادب بھی ملحوظ عمل اور ملحوظ خاطر ہوتا ہے اور وہ شخص جو ادب کا عملی لحاظ نہیں رکھتا وہ سخت دل، بے حس اور بے سلیقہ انسان ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایسا شخص بزرگوں کی صحبت سے محروم ہوتا ہے۔

شاہ مینا لکھنوی لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر مشاہدے اور اپنے قرب کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ باادب کامیاب ہوتا اور بے ادب محروم ہوتا ہے۔ اکثر وہ لوگ جو اخلاص سے محروم ہوتے ہیں وہ ادب سے بھی خالی ہوتے ہیں“۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں، حضرت ذوالنون مصری کے نزدیک اخلاص کی تین علامتیں ہیں:

(1) صاحب اخلاص کے نزدیک لوگوں کی تعریف اور مذمّت برابر ہوتی ہے۔

(2) عمل کر کے اس کے مشاہدے سے بے نیازی اخلاص ہی کا ثمر ہوتا ہے۔

(3) مخلص فی اللہ آخرت میں بھی اعمال کی جزا کا طالب نہیں ہوتا۔

صفت خامسہ

اللہ کی معیت کا احساس رکھتے ہوئے اللہ کے نام کا مراقبہ کرنا دل میں سے ہر غیر کو نکال دینا اور رغبت کا پوری طرح اللہ کی طرف ہونا اور اندیشوں اور خطرات کو ختم کر دینا۔ یہ بات رسالہ مکیہ میں لکھی گئی ہے۔

تصوف کی کتابوں میں یہ بات میں نے پڑھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص چالیس دن صبح کے وقت اللہ کے ساتھ اختیار کر لیتا ہے اس طرح کہ ہر صبح ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگ جاتے ہیں جو زبان سے جاری ہو جاتے ہیں“۔

ایک روح پرور حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت سے فرمایا:

”تم کون لوگ ہو“؟

وہ عرض کرنے لگے:

ہم مسلمان ہیں۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تمہارے ایمان اور اسلام کی علامت کیا ہے“؟

وہ عرض کرنے لگے:

ہم مصیبت پر صبر کرتے ہیں، آسائشوں اور نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ربِ کعبہ کی قسم! تم اہل ایمان ہو“۔

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

”یہی لوگ حکمت اور علم والے ہیں“۔

حضرت جنید بغدادی کا ارشاد ہے:

”مصیبت عارفوں کا چراغ ہے، مریدین کی بیداری ہے اور غفلت والوں کے لیے ہلاکت ہے“۔

صفت سادسہ

ذاکر کی زندگی کا یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ شیطانی خیالات کی نفی کرتا رہتا ہے۔صدق اور سچ والوں کے لیے خواطر کی نفی کرنا دشوار مرحلہ ہے، ان کی تفصیل عارفین ہی جانتے ہیں۔حضرت جنید بغدادی سے مروی ہے کہ خواطر یعنی وہ خیالات جو دماغ اور ضمیر پر وارد ہوتے ہیں، وہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔رحمانی، ملکی، نفسانی اور شیطانی۔اگر خیالات میں توارد اللہ کی طرف سے ہو، بات اللہ سے محبت کی ہو، حضور ﷺ کی اطاعت کی اور کتاب اللہ سے استفادہ کی ہو تو یہ خطرہ رحمانی کہلاتا ہے۔اگر بات اطاعت اور عبادت کی ہو تو یہ خطرہ ملکی ہوتا ہے اور اگر بات پھوں پھاں کی ہو اور بندہ دنیا طلبی میں حریص ہو اور خیالات بھی مبنی بر طمع ہوں تو یہ نفسانی خطرہ ہوتا ہے اور گناہ کی رغبت معصیت کی طرف رجحان اور گناہوں کا ارتکاب یہ سب خطرات شیطانی ہوتے ہیں۔

صفت سابعہ

ساتویں صفت پورے ارادے کے ساتھ اپنے پیر اور شیخ سے ربط ہے، اس لیے کہ راستے کا رفیق شیخ ہی ہوتا ہے۔میں بتاتا چلوں کہ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کو سنگی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شیخ اپنے مرید کا سنگی بن کر روحانی امور میں مدد کرتا ہے۔ ہر وقت اپنے دل کی توجہ شیخ کی طرف رکھنی چاہیے۔مشائخ کا قول ہے کہ جس نے مشائخ کی مخالفت کی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ بات مشہور ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے تین شیوخ تھے: ایک اسماعیل دوسرے شیخ عمار یاسر اور تیسرے شیخ ضیاء الدین ابو نجیب۔ اسی لیے حضرت نجم کو "شیخ سہ تراش" کہا جاتا ہے۔بندے کے لیے پیر بننے سے مرید بننا زیادہ اہم ہوتا ہے۔ہر سلسلہ میں مشائخ کبار اپنے مریدین کی تربیت کے لیے رفیق بناتے ہیں جو شیخِ رجل کی اطاعت میں رہ کر مریدوں کی مدد کرتے ہیں۔

صفت ثمانیہ

مشائخ، اہل اللہ اور اہل خدمت پر اعتراضات اور تنقید ترک کرنا ہے۔شکوہ ممنوع ہے۔اللہ تعالیٰ جو بھی تنگی، کشادگی، رنج، راحت، صحت، مرض، وافر رزق اور کم روزی جو بھی عطا کرے اسی پر بندے کو راضی رہنا چاہیے۔

حرف مدعا

سالکین! طالبین! عاشقین! اور محبین

کوئی نیکی کا کام توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے اور دوسروں کی دعا لینے میں سستی نہیں ہونی چاہیے۔خدمت، آرزو اور التماس اچھی راہیں، بندے کو اچھے چہروں اور نیک روحوں کی تلاش کرتے رہنا چاہیے۔اللہ میرے شیخ، والدین، مشائخ اور ائمہ سادات سب کے درجے بلند فرمائے اور ہمیں توفیق خیر کی سعادت سے نوازے رکھے۔

لا الہ الا اللہ

اللہ تعالیٰ اس کلمے کے طفیل سعادت کی راہیں کشادہ فرمائے۔آمین

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 191 تا 196 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسۡتَجَابَ لَہُمۡ رَبُّہُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ؕ ﴿۱۹۶﴾

''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے جسے آگ میں جھونک دیا سو تو نے اسے خوب رسوا کر کے سزا دی اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اے ہمارے ربّ! بے شک ہم نے ایک ندا دینے والے کی یہ دعوت ایمان کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سن لی سو ہم ایمان لے آئے پروردگار ہمارے! بخش دے ہمارے گناہوں کو اور دور فرما ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا، اے ہمارے پالنے والے! اور عنایت فرما ہمیں وہ جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا بے شک تو اپنے وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا، ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل کوئی مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انہیں اذیت دی گئی اور قتال کیا انہوں نے یا شہید ہوئے میں ان کی برائیاں ضرور ان سے دور کروں گا اور یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، دیکھیے زبردست صلہ اللہ کی طرف سے اور اچھا ثواب تو اللہ ہی کے پاس ہے، (اے قاریٔ قرآن) کافر لوگوں کی شہروں میں چلت پھرت تجھے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے''۔

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

آیت خود یہ خوشبو بکھیرتی ہے کہ عقل والے کون ہیں؟

اور باطنی عقل کی گہرائیاں کس کا مقدر بنتی ہیں؟

وہ لوگ جو ہمہ دم اللہ کے ذکر اور یاد میں ڈوبے رہتے ہیں۔ کائنات ارضی وسماوی کا کوئی گوشہ و کنارہ ایسا نہیں جہاں آیات اللہ کا جلوہ نہ ہو اور اہل ذکر اس وسیع عالم کی دلکشیوں میں جذب ہو کر خالق ارض وسما کی یاد میں ڈوب نہ جاتے ہوں۔ آیت کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ عقلمند وہ ہوتے ہیں جو قیام میں ہوں یا قعود کی حالت میں ہوں یا پہلو کے بل محوِ استراحت، اللہ کے ذکر میں ڈوبے ہوتے ہیں اور ارض وسما کی اسرار میں کھو جاتے ہیں اور اللہ کا تکوینی،

عقلمند وہ ہوتے ہیں جو قیام میں ہوں یا قعود کی حالت میں ہوں یا پہلو کے بل محوِ استراحت، اللہ کے ذکر میں ڈوبے ہوتے ہیں

تشریعی اور روحانی نظام سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علامہ رازی اور ذکر کے تین معانی

☆ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دل میں دل سے یاد کرتے رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتے رہتے تھے۔ اس ذکر سے مراد دل کا ذکر ہے۔

☆ علامہ رازی ذکر کرنے کی دوسری تعبیر یہ رقم فرماتے ہیں کہ زبان سے عقل والے ذکر کرتے رہتے ہیں۔ رازی لکھتے ہیں کہ زیادہ کامل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دل اور زبان دونوں سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص پسند کرتا ہو کہ وہ جنت کے باغات سے لطف مند ہو وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے''۔

☆ علامہ رازی نے ذکر کا تیسرا معنیٰ یہ لکھا کہ ذکر سے مراد نماز قائم کرنا ہے یعنی اہل عقل نماز قائم کرتے ہیں کھڑے ہو کر، اگر کھڑے ہونے سے عاجز آجائیں تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں اور اگر وہ بیٹھنے سے بھی عاجز آجائیں تو لیٹ کر نماز ادا کرتے ہیں (636)۔

مظہری کی روایت

عمران بن حصین فرماتے ہیں (637):

''مجھے بواسیر کی بیماری لاحق ہوگئی تو میں نے بیمار شخص کی نماز کے بارے میں رحمت عالم ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کھڑے ہو کر ادا کرو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرلو، اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو کروٹ پر لیٹ کر ادا کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا''۔

تفکر کیا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تفکر کی طرح کوئی عبادت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ ایک شخص اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا جونہی اس نے اپنا سر اُٹھایا تو اُس کی نظر آسمانوں اور تاروں پر پڑی تو اُس نے کہہ دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تمہارا کوئی خالق اور ربّ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر کی اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہر چیز میں تفکر کرو لیکن اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو بے شک ساتویں آسمان سے کرسی تک سات ہزار نور ہیں اللہ سب سے بلند و بالا ہے (638)۔

''باطل'' کا معنیٰ

ائمہ لغت کی سوچیں اور تحقیقات ملاحظہ ہوں:

تاج العروس نے لکھا ہے کہ کسی چیز کو مخصوص کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اُترے تو وہ ''باطل'' ہوتی ہے یعنی حق کے معیار پر پورا نہ اترنا (639)۔

ابن فارس نے لکھا کہ کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ''باطل'' کا اساسی معنیٰ ہے۔

لسان العرب نے لکھا ہے کہ کسی چیز کا ضائع چلے جانا ''تبطیل'' ہوتی ہے (640)۔

ابن عاشور نے لکھا ہے کہ کسی کوشش کے ٹھوس نتائج سامنے نہ آنا ''باطل'' کا بنیادی معنیٰ ہے۔

فخر الدین رازی نے لکھا کہ حق نہ ہونا ''باطل'' کا بنیادی مفہوم ہے (641)۔

''ابطال'' کسی چیز کا خراب کرنا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے نعمت کی ضد میں ''باطل'' لفظ استعمال کیا ہے۔

وہ تمام اعمال ''باطل'' ہوتے ہیں جو رسماً ادا کیے جائیں (642)۔

زیر تفسیر جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کی کوئی چیز بھی بے مقصد اور عبث پیدا نہیں کی۔ ہر چیز کی تخلیق ایک معنیٰ رکھتی ہے۔

واللہ اعلم۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

''اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے جسے آگ میں جھونک دیا سو تو نے اسے خوب رسوا کر کے سزا دی اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا''۔

آیت دعائیہ اسلوب میں ہے۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ جس وقت اصحاب ایمان کی زبانوں پر رواں ہوتے ہیں تو التجا دعا کرنے والے کے وجود کو ایسا تحرک اور مستی عطا کرتی ہے کہ ایک طرف کشکول کا ظرف وسیع ہوتا جاتا ہے اور دوسری طرف تڑپ، توحید کے جلووں میں غوطہ زن ہو جاتی ہے تو بندہ دوزخ کی آگ کے شعلوں کو جیسے دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہاں دُعا مناجات اور سرگوشی کے مزے لینے لگ جاتی ہے اور بندہ اپنے خدا سے باتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ ربّ ہمارے جسے تو نے آگ میں پھینک دیا اُسے تو تُو نے رسوائی دے دی۔

''اخزا'' کیا ہے

زجاج نے لکھا کہ ''اخزا'' کا معنیٰ دور کر دینا ہوتا ہے۔ تاج نے لکھا کہ ''خزی'' کا مفہوم توہین اور اہانت ہوتا ہے (643)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ ''خزی'' کا بنیادی معنیٰ ہلاک کر دینا ہوتا ہے (644)۔

رازی نے ابن انباری کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی کو تلف کر کے ختم کر دینا ''اخزا'' ہے (645)۔

زمخشری نے بہت زیادہ رسوا کرنا ''خزی'' کا معنیٰ لکھا ہے (646)۔

آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ظالمین کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ تفاسیر نے بہت کچھ لکھا جس میں تطویل تھکا دینے والی ہے۔ اختصار یہ کہ ظالمین سے مراد مشرکین ہیں جن کے لیے بروز محشر کوئی ناصر و شفیع نہ ہوگا لیکن آیت کا مزاج اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ ایمان والوں اور صحبت والوں کے لیے انبیاؑ و صالحین کی شفاعت ہوگی اور وہ اس ثمرِ محبت سے ہرگز محروم نہ ہوں گے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۣ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

''اے ہمارے ربّ! بے شک ہم نے ایک ندا دینے والے کی یہ دعوت ایمان کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سن لی سو ہم ایمان لے آئے پروردگار ہمارے! بخش دے ہمارے گناہوں کو اور دور فرما ہم

سے ہماری برائیاں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا''۔

ندا کی تفسیری معنویت

''اَلنَدیٰ'' کے بنیادی معنیٰ نمی، شبنم اور رطوبت کے ہوتے ہیں۔ ''شجر ندیان'' اُس درخت کو کہتے ہیں جو شگفتہ اور تروتازہ ہوتا ہے۔ ائمہ لغت نے یکجا ہونا بھی اس لفظ کا مفہوم نقل کیا ہے۔ پاٹ دار آواز، کھنک دار اور بلند آواز ''ندا'' ہوتی ہے اور آواز کی کھنک اس منہ سے زیادہ ہوتی ہے جس میں رطوبات زیادہ ہوں۔ ابوحیان اندلسی نے لکھا کہ لفظوں اور حرفوں سے جو آواز ترتیب پکڑے وہ صدا ہوتی ہے اور حرفوں کے سوا صرف اگر آواز سے مخصوص مفہوم اور طلب کی ادائیگی ہو رہی ہو تو وہ ندا ہوتی ہے۔ ''منادات'' ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر گفتگو کرنا ہوتا ہے۔ ''دار الندوہ'' وہ جگہ جہاں مشاورتوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ''المندیات'' وہ ذلیل کام جن سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہو۔ وہ روحانی اشارات اور آوازیں جن سے پیشانی پر پسینہ آجائے یا آنکھوں میں آنسو رواں ہو جائیں۔ ''النادیہ'' قبیلہ کو کہہ دیتے ہیں۔ ''متنادیٰ'' باہم آواز دینا اور ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارنا۔ ہمدردی کے ساتھ کسی کو خطرات سے بچنے کے لیے آواز دینا بھی ''ندا'' ہوتا ہے(647)۔

آیت میں ''منادی'' سے مراد

مفسرین نے آیت میں ''منادی'' سے مراد لینے میں دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ''منادی'' سے مراد قرآن حکیم کی ندا ہے اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعوت مراد ہے(648)۔

آیات میں ''رَبَّنَآ'' کا تکرار

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ ان آیات میں پانچ مرتبہ ''رَبَّنَا رَبَّنَا'' کا تکرار ہے۔ اسلوب کی رعنائی ملاحظہ ہو کہ ہر مرتبہ اللہ سے اس کی نئی مہربانی اور نئی شفقت کا سوال کیا گیا ہے، پھر یہ کہ اسم اعظم اللہ کی بجائے ''رَبَّنَآ'' کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے اللہ کے مربی، مالک اور مصلح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ آیت میں یہ تعلیم بھی موجود ہے کہ اللہ سے جب بھی سوال کیا جائے، بار بار سوال کیا جائے، جتنی بار زیادہ اُس سے مانگا جائے وہ خوش ہو کر اتنا ہی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ''رَبَّنَا رَبَّنَا'' کی کثرت کے ساتھ اللہ سے مانگو تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے(649)۔

اچھوں کے ساتھ وفات کا معنیٰ

علامہ فخر الدین رازی نے اس کے تین معانی لکھے ہیں(650):

☆ پہلا معنیٰ یہ ہے کہ دعا میں یہ آرزو چمک رہی ہے کہ پروردگار ہمارے ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں سے بنا دے تاکہ ہم ان کی پیروی کرتے رہیں ایسے لوگ جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔

☆ دوسرا معنی یہ ہے کہ جیسے وہ عزم و ہمت والے کام کرتے رہے اور شیطان ان پر اپنا تسلط نہ جما سکا ہمیں بھی اس عملی اور معنوی فضلیت سے نواز۔

☆ اور تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ ربّ ہمارے جن اعمال پر تو نے ابرار کو اٹھایا ہے ہمیں بھی تو انہی اعمال پر استقامت سے نواز کر اپنی طرف اٹھا۔

واللہ اعلم

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

''اے ہمارے پالنے والے! اور عنایت فرما ہمیں وہ جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا بے شک تو اپنے وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جنت میں ثواب عطا کرنے، اپنے دیدار کا شرف عطا کرنے، اپنی رضا سے نوازنے، مراتب قرب دینے اور دنیا میں اعداء الدین کے خلاف مدد کا وعدہ کیا ہے(651)۔

اللہ تعالیٰ نے دعاؤں میں جتنی بھی چیزوں کا ذکر کیا ہے ان کے ملنے کا عقیدہ یقینی طور پر رکھنا چاہیے۔

آیت میں اصل میں توفیقات خیر کی آرزو کی جا رہی ہے اور یہ ہی مسلمان کا سرمایہ ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

''ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل کوئی مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انہیں اذیت دی گئی اور قتال کیا انہوں نے یا شہید ہوئے میں ان کی برائیاں ضرور ان سے دور کروں گا اور یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، دیکھیے زبردست صلہ اللہ کی طرف سے اور اچھا ثواب تو اللہ ہی کے پاس ہے''۔

شان نزول

علامہ بغوی نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سن رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں مردوں کا ذکر کرتا ہے لیکن عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی(652)۔

اجاب اور استجاب میں فرق

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: اجاب اور استجاب عام طور پر ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں ایک فرق ضرور کیا جاتا ہے کہ استجاب اجاب سے خاص ہے اس کی وضاحت شیخ زادہ کی عبارت سے ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اجاب کا معنیٰ ہوتا ہے اُس نے جواب دیا اور جواب دینا کبھی مطلوب کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور کبھی

دلالت نہیں بھی کرتا ہے لیکن استجاب مطلوب کے حاصل ہونے پر صریح دلالت کرتا ہے (653)۔

اعمال ضائع نہ کرنے کا مطلب

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اضاعت کا مطلب ہے ثواب نہ پہنچانا اور ''لَآ أُضِيعُ'' میں نفی پر نفی پائی گئی ہے جو اثبات کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا جملہ کا مفہوم تفسیری ہوگا کہ میں تمہارے اعمال کا ثواب پہنچاؤں گا۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا ہے اور وہ ان کے اعمال اور اطاعت کی جزا دے گا اور انہیں ثواب عطا فرمائے گا (654)۔

معنوی عموم کا جمالیاتی رنگ

آیت کا جمالیاتی رنگ ملاحظہ ہو کہ پہلے دعا کی اجابت بیان ہوئی یہ ایسے ہی ہے جیسے روشنیوں کے طالبین کے لیے سورج طلوع ہوگیا ہو، بعدازاں اس روشنی کے منعکس ہونے کا فیضان بتایا گیا کہ یہ اللہ ہی کے لطف وکرم اور احسان وعطا کا اثر ہے کہ تمہارے اعمال قبولیت کی خوشبو سے معطر ہو گئے۔ کوئی چیز، کوئی ادا اور کوئی وضع عمل ضائع نہ ہوئی اور یہ عطاؤں کا موجزن سمندر کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں، مرد ہو یا عورت فیض کے اس چشمۂ حیوان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے ''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ'' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ تم سب ایک ہی دین کے پیرو ہو اور ایک ہی صدق کے طرف دار ہو۔ تمہاری یہ ادا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور تمہارا یہ رنگ تمہارے ہم کار ہونے پر دلیل فراہم کر رہا ہے۔

علامہ آلوسی کا حسن رنگ بیان

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی کے اندر اعمال میں تفاوت بیان کیا اور جزأ الاعمال بیان کی۔ لطافتوں کی عنبر فشاں تعبیرات میں حضور ﷺ کی ایک حدیث لائے (655)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشار فرمایا: سب سے پہلے جنت میں تین قسم کے لوگ داخل ہوں گے: فقرأ مہاجرین جن کی وجہ سے مصائب سے بچاؤ ہوگا۔ جب ان کو حکم دیا گیا انہوں نے تعمیل کی اور اطاعت بجالائے اور اگر کسی شخص کو بادشاہ سے حاجت ہوئی تو وہ حاجت ان کے سینے ہی میں رہ جاتی اسے پورا نہ کیا جاتا۔ ان لوگوں کے لیے اللہ جنت کو بلائے گا، وہ اپنا بناؤ سنگار کر کے حاضر ہوگی۔ ربّ تعالیٰ فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ بندے جنہوں نے میری راہ میں قتال کیا اور وہ میری راہ میں ایذا دیے گئے اور انہوں نے جہاد کیا حکم ہوگا جنت میں داخل ہوجاؤ۔ وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے بغیر عذاب اور بغیر عذاب کے اور فرشتے آئیں گے اور سجدہ کریں گے اور عرض کریں گے ہمارے ربّ! ہم دن رات تیری تسبیح کرتے تھے، یہ کون لوگ ہیں جنہیں تو نے ہم پر ترجیح دی، ربّ فرمائے گا: یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تگ وتاز کی اور میری راہ میں ستائے گئے، تو فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے اور کہیں گے سلام ہو تم پر اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا، سو بہتر ہے تمہارے لیے آخرت کا گھر۔۔۔۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝

''(اے قاریٔ قرآن) کافر لوگوں کی شہروں میں چلت پھرت تجھے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ کردے''۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اللہ کے حکم پر مسلمانوں میں اپنے آقا ﷺ کی اطاعت میں ہر قربانی پیش کرنے کا عشق مکمل بھڑک چکا تھا لیکن معاشی اور اقتصادی پسماندگی ان کی راہ میں مسائل کے کانٹے بکھیر رہی تھی، جبکہ مکہ کے مشرکین تجارت پیشہ لوگ تھے اور متمول تھے اس لیے ناز ونعمت میں کھیلنا ان کی زندگی کا شعار بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودی بھی معاشی طور پر مضبوط تھے اور ان کی اقتصادی چلت پھرت وقت کا عنوان بنا ہوا تھا۔ فطری امر ہے بعض مسلمانوں کے ذہن میں اضطرابات اور پریشانیوں نے کانٹوں کی طرح چبھنا شروع کر دیا، ان میں حوصلوں کی تخلیق کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سمجھایا گیا کہ حالات جیسے بھی ہیں وہ وقتی ہیں، کافروں کی چلت پھرت تمہیں کم ہمت نہ بنائے، تم مسلمانوں کی تکلیفیں بھی عارضی ہیں۔

ایک مفسر نے یہ بات درست اور صحیح لکھی کہ بعض بے ایمانوں کی مادی ترقی اس لیے بھی ہوتی ہے کہ وہ دولت سمیٹنے میں کسی اصول اور قانون کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ جائز ناجائز ہر طریقے سے یہاں تک کہ وہ بے کسوں کا خون چوس کر بھی دولت سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں۔ جبکہ اہل ایمان حق وعدالت کے اصولوں کی ملحوظ رکھتے ہیں اس لیے دونوں کے حالات کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا (656)۔

''غرہ'' کا لغوی معنیٰ

''غرہ'' کا لغوی معنیٰ جاگتے ہوئے، غافل ہونا ہوتا ہے۔ گھوڑے کی پیشانی سفید ہونا اسے بھی ''غرہ'' کہتے ہیں۔ تلوار کی تیزی، کپڑے میں پھٹے ہونے کا نشان ''غرار'' ہے۔ دھوکہ میں ڈالنا بھی ''غرہ'' ہوتا ہے (657)۔

''غرت الناقه'' کا مفہوم ہوتا ہے اونٹنی کا دودھ کم ہوجانا ''اغرار'' ہے۔ آیت میں خطاب رسول کریم ﷺ سے ہے لیکن مراد اُمت ہے۔

حوالہ جات

(636) تفسیر کبیر: رازی
(637) تفسیر مظہری: پانی پتی
(638) تفسیر مظہری: پانی پتی
(639) تاج العروس: زبیدی
(640) لسان العرب: ابن منظور
(641) التحریر: ابن عاشور ایضاً رازی
(642) لغات القرآن: پرویز
(643) تاج العروس: زبیدی حنفی
(644) المفردات: راغب
(645) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی
(646) کشاف: زمخشری ایضاً واحدی
(647) تاج العروس ایضاً لسان العرب
(648) تفسیر کبیر: رازی
(649) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً آلوسی
(650) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(651) تفسیر مظہری: پانی پتی
(652) معالم التنزیل: بغوی ایضاً مظہری، ایضاً وھبہ
(653) انوار التنزیل: بیضاوی وشیخ زادہ
(654) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(655) روح المعانی: آلوسی
(656) تفسیر نمونہ: مفسرین کی ایک جماعت
(657) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

انا و علی من نور واحد

حافظ سخی احمد

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ حَبِيبِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُنَّا أَنَا وَعَلِيٌّ نُورًا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ آدَمَ بِأَرْبَعَةَ عَشَرَ أَلْفَ عَامٍ، فَلَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّورَ جُزْءَيْنِ، فَجُزْءٌ أَنَا، وَجُزْءٌ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ (فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل)

''حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کیے جانے سے چودہ ہزار سال پہلے، میں اور علی، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نور تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اُس نے اِس نور کو دو جز میں تقسیم کیا، ان میں سے ایک جز میں ہوں اور دوسرا جز علی علیہ السلام''۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے اس روایت کو فضائل الصحابہ میں بیان کیا۔ اسی روایت کو ابن المغازلی نے بھی الفاظ کی قدرے تبدیلی اور تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

كنت أنا وعلي نوراً بين يدي الله عز وجل، يسبح الله ذلك النور ويقدسه قبل أن يخلق الله آدم بألف عام! فلما خلق الله آدم ركب ذلك النور في صلبه، فلم ينزل في شيء واحد حتى افترقنا في صلب عبد المطلب، ففي النبوة وفي علي الخلافة (المغازلی)

''میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ایک ہی نور تھے۔ یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ایک ہزار سال قبل اللہ رب العالمین کی تسبیح اور تقدیس بیان کرتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو اُن کی صلب میں رکھا۔ پھر یہ نور ہمیشہ یکجا ہی رہا یہاں تک کہ حضرت عبد المطلب کی صُلب سے یہ جُدا جُدا ہوا پس مجھ میں نبوت اور علی میں ولایت رکھی گئی''۔

اسی سے ملتی جُلتی ایک اور روایت حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

رجب المرجب قسامِ ولایت، مولا مشکل کشا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ماہِ ولادت ہے۔ اسی نسبت سے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ مطالعہ فرمانِ مُبارک کو حُسنِ اخلاص اور حُسنِ عقیدہ سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس مقصد کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جاتے ہیں:

1۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تخلیقِ کائنات
2۔ وحدتِ نور اور تقسیمِ نور
3۔ نور کے اطلاقات
4۔ ولایتِ علی المرتضیٰ علیہ السلام
5۔ اہل سنت کے امام کا نظریہ محبت

1۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تخلیقِ کائنات

اہل سنت کے لیے زیرِ مطالعہ فرمانِ مُبارک کو قبول کرنے میں اس لیے کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ہمارا عقیدہ وعقیدت اور ایمان وایقان یہی ہے کہ ہر چیز سے پہلے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا گیا اور پھر کائنات کی ہر شے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مبارک سے پیدا ہوئی۔ معروف حدیث شریف ہے جسے مصنف عبدالرزاق، قسطلانی فی المواہب، زرقانی فی شرح المواہب اور دیگر محدثین وسیرت نگاروں نے اپنی اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا کیا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تمہارے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے اور نہ انسان، جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ سے قلم بنایا، دوسرے حصہ سے لوح اور تیسرے حصہ سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے حصہ سے کرسی اور تیسرے حصہ سے باقی فرشتے پیدا کیے۔ پھر چوتھے حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے آسمان بنائے، دوسرے حصہ سے زمین اور تیسرے حصہ سے جنت اور دوزخ بنائی''۔۔۔ آگے طویل حدیث بیان ہوئی ہے۔

معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر شے میں ہی محبوب رب العالمین کے نور کی نورانیت موجود ہے۔ اگر ہر شے میں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا جا سکتا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متحد و متصل ماننے میں مشکل نہیں ہونی چاہیے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں یہ اتصال ازل سے رہا ہے۔ مقصود و مطلوب تو یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کہ مرتضیٰ علیہ السلام کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا نہ جانو، الگ نہ مانو
وہ ازل سے ایک ہیں، وہ ابد تک ایک ہی ہیں

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بار بار فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے

وحدتِ نور اور تقسیم نور

علامہ زرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ درج بالا حدیث پاک میں جو بار بار تقسیم نور کا ذکر آیا ہے۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ معاذ اللہ نور محمدی ﷺ تقسیم ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نورِ محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں شعاع در شعاع اضافہ ہوتا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں۔ حدیث جابر میں تمام اشیاء سے پہلے جس نورِ محمدی ﷺ کی خلقت کا بیان ہے وہ حضور ﷺ کی ذات پاک کا نور ہے اور وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور ﷺ کے نورانی اور پاکیزہ اجزائے جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جا سکتا ہے، اس لیے کہ وہ نور پاک آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

وَفِی الْخَبَرِ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اٰدَمَ وَجَعَلَ اَوْ دَعَ ذٰلِکَ النُّوْرَ نُوْرَ الْمُصْطَفٰی فِیْ ظَھْرِہٖ فَکَانَ شِدَّۃً یَلْمَعُ فِیْ جَبِیْنِہٖ

(زرقانی علی المواہب)

"حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نورِ مصطفی ﷺ کو ان کی پشت مبارک میں رکھ دیا اور نور پاک ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشت آدم میں ہونے کے پیشانی آدم علیہ السلام سے چمکتا تھا اور آدم علیہ السلام کے باقی انوار پر وہ غالب ہو جاتا تھا"۔

درج بالا تصریحات اہل سنت کے تسلیم شدہ عقائد ہیں۔ بس بعض لوگوں کے ذہن کی الجھن اور خلش یہ ہے کہ نور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی نورِ محمدی ﷺ کا جز کیسے مان لیا جائے۔

یہ مان لیتے ہیں۔۔۔۔۔لوح وقلم بھی اسی نور کا ایک جلوہ ہے

یہ جان لیتے ہیں۔۔۔۔۔عرش وفرش بھی اسی نور کی ایک شعاع ہے

یہ تسلیم کر لیتے ہیں۔۔۔۔آفتاب وماہتاب کا نور بھی اسی نور کا صدقہ ہے

بس علی المرتضیٰ علیہ السلام کو ہی نورِ محمدی ﷺ کا حصہ ماننے میں ہی دقت ہوتی ہے

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو صرف اس نور کا حصہ ہی نہیں ماننا بلکہ زیرِ مطالعہ حدیث شریف تو زور دیتی ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نورِ مصطفیٰ ﷺ کا ایسا حصہ ماننا ہے جو اُس نورِ محمدی ﷺ کے تابع رہا مگر اُس نور کی خیرات رب العالمین نے ساری کائنات میں تقسیم فرمائی۔

علی تو علی ہے۔۔۔۔اُنہیں رسول اللہ ﷺ نے خود سے جُدا نہیں کیا

علی تو علی ہے۔۔۔۔۔اللہ رب العالمین نے بھی مرتضیٰ علیہ السلام کو مصطفیٰ ﷺ سے جُدا نہیں رکھا

لہٰذا علی تو علی ہی رہیں گے، اُنہیں اللہ کے پاک محبوب ﷺ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

3۔نور کے اطلاقات

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ سورہ نور میں آیت "اللہ نور السمٰوٰت والارض" کی تفسیر میں لفظ نور کی وضاحت فرماتے ہیں:

1۔النور فی اللغۃ الضیاء۔۔۔۔نور لغت میں روشنی کو کہتے ہیں

2۔النور اجسام صغار تنفصل عن المضیء وتتصل بالمستضیء

نور ایسے چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جو (کسی) روشن چیز سے جدا ہو کر روشنی حاصل کرنے والے سے متصل ہو جاتے ہیں۔

3۔النور عرض من الکیفیات المحسوسۃ۔۔۔۔نور کیفیاتِ محسوسہ میں سے ایک عرض ہے۔

4۔النور غنی عن التعریف کسائر المحسوسات۔۔۔۔نور باقی محسوسات کی طرح تعریف سے مستغنی ہے۔

5۔النور کمال اوّل للشفاف من حیث انہ شفاف ۔۔۔۔نور کمال اوّل ہے کسی شفاف چیز کے لیے اس حیثیت سے کہ وہ شفاف ہے۔

6۔النور کیفیۃ لا یتوقف الابصار بھا علی الابصار بشیء اٰخر تعریف بما ھو اخفیٰ

نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دیکھنا کسی دوسری چیز کے دیکھنے پر موقوف نہیں۔

7۔النور نفس ظھور اللون۔۔۔۔نور کسی چیز کے نفس ظہورِ رنگ کو کہتے ہیں۔

8۔النور مغائر النفس ظھور اللون۔۔۔۔نور نفسِ ظہورِ رنگ کے (ساتھ بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے باوجود اس کے) مغائر کو کہتے ہیں۔

9۔النور الظاھر بذاتہ والمظھر لغیرہ۔۔۔۔نور ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والی ہو۔

10۔النور نور عقلی۔۔۔۔نور عقلی روشنی کو بھی کہتے ہیں (علم وہدایت، ایمان وعرفان وغیرہ تمام انوارِ عقلیہ اس میں شامل ہیں)

11۔النور نور نفسی۔۔۔۔نور کے معنیٰ نور نفسی بھی آتے ہیں۔

12۔النور نور جسمی۔۔۔۔نور جسمی روشنی کو بھی کہا جاتا ہے۔

13۔النور موجد۔۔۔۔نور موجد (ایجاد کنندہ) کو بھی کہتے ہیں۔

14۔النور الظھور بنفسہ والاظھار لغیرہ۔۔۔۔نور خود بخود ظاہر ہونے اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

15۔النور منزہ من کل عیب ومن ذٰلک قولھم امرأۃ نوار ای بریئۃ من الریبۃ بالفحشاء

نور کے معنیٰ "ہر عیب سے منزہ" ہیں اور اسی سے عرب کا مقولہ ہے "امرأۃ نوار" یعنی یہ عورت بے حیائی کے کاموں کے شک وشبہ سے پاک ہے۔

16۔النور منور۔۔۔۔نور کے معنیٰ روشن کرنے والے کے بھی آتے ہیں۔

17۔نور نوَرَ ماضی بدلیل والارض النصب۔۔۔۔آیت کریمہ "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ" میں نور فعل ماضی ہے جس کے معنیٰ ہیں روشن کر دیا، اس کی تائید اسی آیت میں (ایک قرأت کے مطابق) "وَالْاَرْضَ" کے نصب سے ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی کی تعریفاتِ نور کے مطابق زیرِ مطالعہ حدیث شریف کے ماتحت درج ذیل مفاہیم اخذ کیے جا سکتے ہیں:

- آقا کریم ﷺ کا بدن بھی نور اور باطن بھی نور علی نور اور خاندانِ رسالت بھی اُسی نور کی شعاعیں اور کرنیں
- جانِ عالمین ﷺ منور و روشن کرنے والے اور مولا علی رضی اللہ عنہ اُس نور سے منور ہو کر ساری دُنیا کے تمام اولیاء کو منور کرنے والے
- محبوب رب العالمین ﷺ کا نور دوسروں کو ظاہر کرنے والا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اور ذکر بھی منافقوں کو آشکار کرنے والا
- سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نورِ علم وحکمت ودانائی کی سلطنت وشہر اور اس شہرِ نور کا دروازہ فقط علی اور فقط علی رضی اللہ عنہ

- حضور خاتم النبین ﷺ کا نور ہر عیب سے معصوم اور آپ ﷺ کی آل وعترت کا نور ہر گناہ وخطا سے محفوظ

نیز علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کی تعریفات سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ نور اوصاف میں مشترک ہونے کے باوجود اس کے غیر کو کہتے ہیں۔ مراد یہ کہ نور ہونے کے باوجود نبی کبھی بھی ذاتِ وحدہ لاشریک لہ کا حصہ نہیں ہوسکتا اور علی رضی اللہ عنہ نور ہو کر بھی وصف نبوت میں شریک نہیں ہیں۔ مگر بعض اوصاف میں مماثلت واشتراک سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شاید یہی خاص وجہ تھی کہ نبی ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو ہجرت کی رات اپنے بستر پر سلایا کیونکہ نبی پاک ﷺ کے جسم مبارک سے نور نکلتا تھا ویسا ہی نور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے جسم سے نکلتا تھا۔ مکہ کے کافر اس لیے ساری رات دیکھ کر یہ سمجھتے رہے کہ نبی پاک ﷺ سوئے ہوئے ہیں جبکہ نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے۔

4۔ ولایتِ علی المرتضیٰ علیہ السلام

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے قاسمِ ولایت ہونے پر سب متفق ہیں اور سب ہی مانتے ہیں کہ تصدیق علی المرتضیٰ کے بغیر کوئی ولی بن نہیں سکتا۔ آقا کریم ﷺ نے بھی دوٹوک انداز میں بارہا مرتبہ ارشاد فرمایا:

وَلِیُّکُمْ بَعْدِی

کہ میرے بعد تم سب کا ولی علی ہے

تم ساروں کا ولی علی ہے

اور قیامت تک آنے والے مؤمنوں کا ولی علی ہے

مگر دلچسپ اَمر تو یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور دیگر صوفیا کرام کے نزدیک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امم سابقہ میں بھی ولایت تقسیم فرماتے رہے ہیں۔

حضرت مجدد پاک علیہ الرحمہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

و این منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد درینمقام گوئیا هر دو قدم مبارک آنسرور علیه و علی آله الصلوة و السلام برفرق مبارک اوست کرم الله تعالی وجهه حضرت فاطمه و حضرات حسنین رضی الله عنهم درینمقام با ایشان شریکند، انکارم که حضرت امیر قبل از نشاءه عنصرے نیز ملاذ این مقام بوده اند، چنانچه بعد از نشاءه عنصرے و هر کرا فیض و هدایت ازین راه میرسید بتوسط ایشان میرسید چه ایشان نزدن۔ قطه منتهائے این راه و مرکز این مقام بایشان تعلق دارد

''اور یہ عظیم الشان منصب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی اس راہ کا فیض پہنچا اُن کے ذریعے سے پہنچا کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے''۔

زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول پاک ﷺ کو اب سمجھیے:

- نبوت واجازت سیدنا آدم علیہ السلام کی۔۔۔۔اُن کی اُمت میں تقسیم ولایت علی پاک علیہ السلام کی
- نبوت واجازت سیدنا ابراہیم وسیدنا نوح علیہما السلام کی۔۔۔۔۔ولایت کا پروانہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی مہر سے
- نبوت و اجازت سیدنا موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی۔۔۔۔۔اُن کی اُمتوں میں تصدیقِ ولایت مصطفیٰ ﷺ کے سوہنے ویر علی ولی کی

طبیعت پر عبارت کا مطالعہ بوجھ پیدا کرے تو قلم اُٹھایئے اور مجدد پاک الف ثانی علیہا الرحمہ پر فتویٰ ضرور صادر فرمایئے مگر برصغیر میں بسنے والوں پر مجدد الف ثانی علیہا الرحمہ کے احسانات کو مت بھولیے۔ برصغیر میں نقشبندیوں کے امام جو امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے روحانی فیوضات کے امین اور امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نسبی قرابت رکھنے والے مجدد الف ثانی ہی نہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا عقیدہ ونظریہ بھی یہی ہے کہ یہی نور تھا جو آدم علیہ السلام کی صُلب میں جلوہ گر ہوا، نوح علیہ السلام کی کشتی میں، ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں اور چلتا چلتا حضرت سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صُلب پاک تک پہنچا اور نبوت میں اپنے کمال کی شکل میں مصطفیٰ کریم ﷺ کی صورت اور ولایت میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صورت میں جلوہ افروز ہوا۔

5۔ اہل سنت کے امام کا نظریہ محبت

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اس بابت یوں ارشاد فرماتے ہیں:

فیوض وبرکات کارخانه ولایت که از جناب الٰهی بر اولیاء الله نازل مے شود اول بریک شخص نازل مے شود وازاں شخص قسمت شهد بهریک ازاولیائے عصر موافق مرتبه وبحسب استعداد می رسد وبه هیچ کس از اولیاء الله بے توسط او فیضی نمی رسد وکسے از مردانِ خدا بے وسیله اور درجه ولایت نمی یابد اقطاب جزئی و اوتاد وابدال و نجباء ونقباء وجمیع اقسام ازاولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی راامام وقطب الارشاد بالاصالة نیز خوانند واین منصب عالی از وقت ظهور آدم علیه السلام بروحِ پاک علی مرتضٰی کرم الله وجهه مقرر بود

'' کارخانہ ولایت کے فیوض وبرکات جو اللہ کی بارگاہ سے اولیاء پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہو کر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ تمام اقطاب، اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا''۔

نیز مطلع القمرین میں رقمطراز ہیں:

''اے عزیز صوفیہ کے دل سے پوچھ جو احسانات ان پر اس جناب آسمان قباب (سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے ہیں۔ خدا تک وصول بے انکا دامن

پکڑے محال، اور راہ سلوک میں قدم رکھنا بے انکی عنایت واعانت کے خام خیال، تکمیل وارشاد باطنی کا سہرا اسی نوشہ بزم عرفان کے سر ٹھہرا، غوث و قطب وابدال واوتاد اسی سرکار کے محتاج اور طالبان وصل الٰہی کو اسی بارگاہ کی جبیں سائی معراج"۔

سلامی جس کے در کا ہر ولی ہے
علی ہے ہاں علی ہے ہاں علی ہے

مزید فرماتے ہیں:

"اللہ تبارک وتعالیٰ کی نیابت عامہ وخلافت تامہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ علیہم اجمعین کو حاصل۔۔۔۔۔"

"پھر حضور کی بارگاہ سے یہ کار خطیر ومنصب جلیل حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو مرحمت ہوا، تمام اقطاب عالم اس جناب کے زیر حکم مدبرات الامر ہیں، سروروں پر سروری، افسروں پر افسری، جملہ احکام عزل ونصب وعطاو منع وکن ومکن انہی کی سرکار والا اقتدار سے شرف امضا پاتے ہیں"۔

"یہی وجہ ہے کہ حاجت مندان عالم اپنے مطالب ومقاصد میں ان سے استمداد کرتے ہیں اور آستان فیض نشان پر سر ارادت دھرتے ہیں، یہاں تک عرف اہل اسلام میں مولیٰ مشکل کشا اس جناب کا نام ٹھہرا اور ناد علیا مظہر العجائب کا غلغلہ سمک سے سماک تک پہنچا"۔

فیصلہ فرمایئے جناب! امام اہل سنت بھی یہی فرماتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق ونبوت ہی سے تقسیم ولایت کا منصب حضرت مولا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے پاس تھا اور یہ وہی بات ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہزاروں سال پہلے میں اور علی ایک نور کی صورت میں اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں اُس کی تسبیح کرتے تھے۔

نور ایک ہی تھا۔۔۔۔۔ تسبیح وتقدیس اللہ وحدہ لاشریک لہ کی تھی
اُسی نور کا جلوہ تمام اُمتوں میں جاری وساری رہا
وہ نور ہر دور میں ظلم، باطل اور شرک وفسق سے نبرد آزما بھی رہا

یہ نور یکجا رہا یہاں تک جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صلب اور سیدتنا آمنہ پاک رضی اللہ عنہا کے بطن پاک سے جانِ نبوت کی ولادت بصورت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی اور جناب حضرت ابوطالب کی صلب اور حضرت سیدتنا فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے جانِ ولایت کا تولد بصورت علی المرتضیٰ علیہ السلام ہوا۔

قوت دست رسالت باب شہر علم تو
واللہ ایں قول نبی مولا علی مولا علی
نقش پائے تو مری جاں کعبۂ ہر اولیا
خاک پا سرمہ تیری مولا علی مولا علی
قوت تو در جہاں مقبول بے مثل و گماں
تو ہے فاتح خیبری مولا علی مولا علی

عقلمند لوگ

ہمارے دور کا المیہ مادیت کے طوفان ہیں۔ مادہ پرستی انسان میں بیزاری پیدا کرتی ہے۔ روحانی شخصیات کبھی بے زار نہیں ہوتیں۔ وہ لوگ جو اصحاب نسبت ہوتے ہیں اور ان کی نسبتیں شریعت اور سنت مطہرہ کا حنوط لیے ہوتی ہیں۔ وہ کبھی غیر معتدل، بے زار، ناامید اور قنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ ایک بڑا مسئلہ ضرور ہے کہ لوگ سکون، امید اور محبت کی تلاش میں خانقاہوں کی طرف دوڑتے ہیں لیکن رجال اللہ کی ملاقاتوں کی بجائے ڈبے پیران کا استقبال کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ توڑتے نہیں جوڑتے ہیں۔ یہی لوگ اصل میں عقل مند ہوتے ہیں۔ خوشیوں کے جھرنے انہی کے آستانوں سے پھوٹتے ہیں۔ یہ لوگ جلد باز نہیں ہوتے۔ حلفاً یہ بات لکھی جاتی ہے کہ صاحب یقین شخص کی زندگی انتہائی محتاط ہوتی ہے۔ وہ عواقب کو پڑھنے والا ہوتا ہے۔ ایسی ہستیاں کم ہیں لیکن یہ بیدار مغز لوگ نہ ہوں تو زمین فنا ہو جائے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس — منجانب: نائس بیکرز اینڈ سویٹس ہاؤس

انسانِ کامل

محمد بن علوی المالکی الحسینی

اخبار وآثار سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہر نقص وعیب سے پاک پیدا ہوئے اور آپ کی نشوونما توحید وایمان کی حالت میں ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انوارِ معارف کی روشنیوں میں پلے بڑھے اور لطف وسعادت کے تحائف آپ کو ارزانی کیے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا عقیدۂ توحید، اللہ اور اس کی صفات کی معرفت، ایمان باللہ اور جو کچھ ان کی طرف وحی کیا گیا، اس پر ایمان، اس قدر پختہ اور آپ کا علم اس قدر راسخ اور وسیع تھا کہ جہل، شک یا شبہ کبھی آپ کے قریب بھی نہ آ سکتا تھا اور آپ کے یقین وایمان سے متضاد ومخالف ہر بات سے آپ معصوم تھے۔

ان سے متعلق خود میرے ذہن میں جو رائے قائم ہوئی ممکن ہے کہ وہ انشاء اللہ صحیح ہو، الغرض ان آیات کریمہ کو ہم دو قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں:

- پہلی قسم ایسے امور پر مشتمل ہے جن سے آپ کو روکا گیا حالانکہ ان امور کی نسبت آپ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔
- دوسری قسم میں وہ امور شامل ہیں جن کے صادر ہونے کو آپ کی ذات سے متعلق فرض کر لیا جائے جب کہ وہ آپ کے شایان شان نہ ہو۔

قسم اول

اس کے تحت وہ تمام امور آتے ہیں جن سے آپ کو روکا گیا اور یہ امور وہ ہیں کہ جن کا آپ سے صادر ہونا اس قدر بعید ہے کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا صدور تو ان سے بھی ممکن نہیں جو آپ سے مقام میں بہت کم ہیں۔

اس قسم میں وہ آیات داخل ہیں کہ جن میں آپ کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا گیا، حالاں کہ پہلے سے ہی آپ اس سے متصف تھے اور دلائل وبراہین سے ثابت ہے کہ وہ اوصاف قبل از اعلان نبوت بھی آپ میں موجود تھے۔

میری رائے ایسی آیات کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے آپ کو ان امور پر مہر اسی طرح ثابت قدم رہنے کی دعوت دی جن کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

مثالیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر فرمایا:

یایھا النبی اتق اللہ

''اے نبی! اللہ کا اسی طرح خوف رکھنا''۔

خذالعفو وامر بالعرف واعرض عن لجاھلین

''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو''۔

یایھا النبی جاھد الکفار و المنفقین

''اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں''۔

جیسا کہ آیات مذکورہ میں آپ کو تقویٰ اختیار کرنے، امر بالمعروف کرنے، جاہلوں سے اعراض کرنے اور منافقین وکفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ اس سے پہلے ان امور پر کاربند نہ تھے بلکہ ان آیات سے مراد یہ تھا کہ اے نبی ﷺ اپنے تقویٰ، اخلاق حمیدہ، امر بالمعروف، جاہلوں سے اعراض اور کفار سے جہاد کرنے جیسے اوصاف پر اسی طرح دوام اختیار کیے رکھو۔

ان اوصاف اور اخلاق کریمانہ سے تو آپ بعثت سے قبل بھی متصف تھے بلکہ اس کے لیے شہرت رکھتے تھے:

اسی ضمن میں یہ آیت کریمہ بھی ہے:

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو''۔

اوپر بیان کی گئی آیت مبارکہ قتادہ بن نعمان کے سامان چوری ہو جانے کے بارے میں اتری۔ انہوں نے چوری کا الزام طعمہ بن ابیرق منافق اور مسلمانوں کی ایک جماعت پر لگایا جب کہ وہ نیک اور اسلام پر کاربند ہیں اور انہیں بغیر کسی واضح ثبوت کے چوری کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس پر قتادہ نے اس عمل سے رجوع کیا اور اس بارے میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیانت کرنے والوں کی جانب جھکنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کا دفاع کر رہے تھے جب کہ حقیقت میں ایسا ہونا ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا کیوں کہ آپ امین ہیں اور امانت کا وصف اعلان رسالت پر فائز ہونے سے پہلے بھی آپ میں موجود تھا اور آپ پاک دامن اور پاکیزہ مشہور تھے۔ میرے نزدیک آیت کا مفہوم یوں ہے:

اے محمد! خائن لوگوں کے ساتھ عدم اعانت اور دفاع نہ کرنے کے وصف اور اپنے طریق پر اسی طرح قائم رہیے:

اسی ضمن میں چند ایک اور آیات ملاحظہ ہوں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فلاتکونن من الجاھلین

''تو ہرگز نادان نہ بن''۔

مفہوم یہ ہے کہ اپنے علم، معرفت اور جاہلوں سے دور رہنے پر قائم رہیں۔

ایک مقام پر یوں فرمایا:

فلاتکونن من الممترین

''تو ہرگز شک لانے والوں میں نہ ہو''۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے یقین، ایمان اور شک کرنے والوں سے دوری اختیار کرنے پر دوام رکھیں۔

اور فرمایا:

ولاتدع من دون اللہ مالاینفعک ولایضرک

''اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا

بھلا کر سکے نہ برا''۔

یعنی دعاؤں میں اپنے اخلاص اور اللہ کی طرف اپنی کمال درجہ توجہ رکھنے کو جاری رکھیں اور یہ مفہوم اس لیے ہے کہ کوئی جاہل بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے تھے بلکہ آپ تو سب کچھ اللہ ہی سے پاتے تھے۔

اور اس کی ایک بڑی دلیل یہ قول خداوندی ہے:

ولاتکونن من الذین کذبو بایات اللہ

''اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں''۔

حالاں کہ اس میں کوئی شک نہیں بلکہ یہ ایک یقینی بات ہے کہ آپ اللہ کی طرف بلانے والے تھے اور آپ کی دعوت کو جھٹلایا جارہا تھا۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کی جانب سے آپ کو جھٹلانے والا کہا جائے۔ ظاہر ہے یہ مفہوم تو امر واقعہ کے بالکل الٹ ہے۔ لہٰذا مفہوم آیت یوں ہوگا کہ اے محمد! اپنے مضبوط اعتقاد، کمال تصدیق اور عظمت ایمان کو اسی طرح اختیار کیے رکھیں۔

یہ بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے آپ اپنے انتہائی محنتی اور صالح شاگرد سے باجود اس کے محنت کرنے اور کھیل کود سے دور رہنے کی بجائے یہ کہیں کہ محنت کرو، سستی نہ کرو اور کھیل کود میں مشغول مت ہو۔

الغرض اس طرح ہمارے بیان کردہ مفہوم عربی زبان کے سینے میں سما سکتے ہیں اور مومن کا دل بھی ان سے اطمینان پاتا ہے۔

دوسری قسم میں وہ آیات ہیں جن میں کسی ایسے فعل کا واقع ہونا آپ کے لیے فرض کرلیا جائے جب کہ وہ فعل کسی طرح سے بھی آپ سے صادر ہونا ممکن نہ ہو، لہٰذا ایسی آیات سے آپ کی ذات کے ساتھ ان افعال کا منسوب کرنا یا آپ سے ان کا سرزد ہوسکنا مراد لینا ہرگز جائز نہیں۔

مفسرین نے اس طرح کی آیات سے متعلق بہت سے احتمالات کا ذکر کیا ہے جن میں سے اکثر تکلف اور خرابی سے خالی نہیں۔

میرے نزدیک ایسی آیات جن کا ابھی ہم ذکر کریں گے ان کی تشریح سے متعلق جو دوراز کار طرح طرح کی تاویلات مفسرین نے بیان کی ہیں ان کی چنداں ضرورت ہی نہیں پڑتی کیوں کہ ان میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ معروضات ہیں اور ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ محال امور کا فرض کرلینا ممکن ہے اور اس سے کسی طرح بھی ان امور کا وقوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مسئلہ بالکل صاف ہے اور بطور دلیل کے ملاحظہ کیجیے یہ آیت:

قل ان کان للرحمان ولدفانا اول العابدین

''تم فرماؤ بفرض محال رحمان کے کوئی بچہ پیدا ہو تا تو سب سے پہلے میں پوجتا''۔

اس آیت سے کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ آپ سے مذکورہ فعل کا وقوع ہونا ممکن ہے، بلکہ ایسا تو صرف مشرک جاہل ہی کہہ سکتا ہے اور یہاں تو آیت میں ایک مفروضہ بیان کیا گیا کہ اگر اللہ کے لیے یہ فرض کرلیا جائے کہ اس کا بیٹا ہو جب کہ ایسا ہونا بلاشک محال ہے۔

اسی طرح اس آیت سے بھی ہم استدلال کرتے ہیں:

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسال الذین یقرئون الکتب من قبلک

''اور اے سننے والے! اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں''۔

آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر آپ سے شک کا ظاہر ہونا فرض کرلیا جائے تو ان سے جاکر پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے کتاب کے پڑھنے والے ہیں ظاہر ہے کہ آپ کا شک کرنا امر محال ہے اور کبھی بھی آپ سے اس کا صدور نہیں ہوسکتا، اسی قبیل کی کچھ اور آیات:

فان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ

''اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کیے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں''۔

فان یشاء اللہ یختم علی قلبک

''اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر فرمادے''۔

لئن اشرکت لیحبطن عملک

''اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شرک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا کارت جائے گا''۔

الغرض وہ تمام امور جن کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا گیا ہے، مفروضات ہیں جن کا واقع ہونا محال ہے اور ان کی نسبت آنحضور ﷺ کی طرف کرنا ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کوئی صاحب عقل مومن یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ ﷺ روئے زمین پر کسی کی اطاعت کرتے ہوں بلکہ اللہ نے روئے زمین کے ہر شخص کو ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ ﷺ کا''۔

کوئی عقلمند مومن یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ قلب محمد ﷺ پر مہر لگائے گا بلکہ مہر تو اس کے دل پر لگاتا ہے جو سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لایا ہو، جیسا کہ فرمایا:

ختم اللہ علی قلو بھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ

''اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹاٹوپ ہے''۔

❁❁❁

فرمانِ لالہ جی علیہ الرحمۃ

ہمارا مقصد پیری مریدی نہیں بلکہ مل کر کسی کو تلاش کرنا ہے۔ کسی کے عشق میں جلنا ہے اور یہ کہ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سنابلِ نور سے ایک اقتباس

منجانب: عمران طارق، سمیر فرنیچر چونگی امر سدھو، لاہور 0321-7096003

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روشنی کی موجیں افشاں چینی کرنے لگیں

راہوارِ محبت اور مراکب عداوت پر سوار دوستوں کو مرحبا۔شوق کے قافلوں نے سازِ شب پر صبح دم نغمے چھیڑے تو ہیں ۔تلاشِ حضرت سے طلبِ اعلیٰ حضرت کی صف بندی ممکن ہوئی تو ہے۔

جوش ملیح آبادی خوب یاد آئے:

ہر اشارے کو ''صدا'' بن کر نکھرنا آگیا
پھر صدا کو لفظ میں ڈھل کر سنورنا آگیا
لفظ کو آہنگِ نَو پا کر اُبھرنا آگیا
خاکِ ''صامت'' کو بالآخر بات کرنا آگیا
لب ہلے تو کشتیاں چلنے لگیں اعجاز کی
فکرِ انسان کو سواری مل گئی آواز کی

قلندرِ بے نوا اپنے لقب القاب کے قید خانے سے آزاد ہونے کا اعلان کرتا ہے۔
آؤ سب ''حق'' کی بنیاد پر مشاورت مکمل کرلیں۔سلامت رہو اور جیتے رہو خوش خوش۔

سید ریاض حسین شاہ

شبِ برأت بارے چند شبہات کا ازالہ

ڈاکٹر منظور حسین اختر

اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدی ﷺ کو بہت سے انعامات سے نوازا ہے جن میں نیکیاں حاصل کرنے کے شارٹ کٹ مواقع بھی شامل ہیں ایسے اوقات، ایسے مقامات اور ایسی شخصیات اللہ تعالیٰ نے امت مصطفوی ﷺ کو عطا کیں جن کے ذریعے سے اہل ایمان نہایت قلیل وقت میں بہت زیادہ نیکیاں اپنے نامہ اعمال میں جمع کر سکتے ہیں۔ ان تمام انعامات میں سے ایک انعام شبِ برأت بھی ہے۔شبِ برأت کی فضیلت ظاہر و باہر ہے۔احادیث اس پر شاہد ہیں۔

سورۂ حم الدخان کی تیسری آیت بارے دو اقوال

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ (۳)

''بے شک ہم نے اسے برکتوں والی رات میں نازل کیا''۔

سورۂ حم الدخان کی مندرجہ بالا آیت (آیت نمبر ۳) بھی بعض بزرگوں کے نزدیک اسی شب کے متعلق نازل ہوئی، اگرچہ اس میں جمہور کی رائے شبِ قدر کی ہے۔آیئے اس کو تحقیق کی نظر سے دیکھتے ہیں:

''برکتوں والی رات'' کا مصداق رمضان کی شب قدر ہے یا شعبان کی پندرھویں شب، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان کی شب قدر ہے اور بعض کا مختار ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے

''برکتوں والی رات'' سے مراد رمضان کی شب قدر

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے بھی ان دونوں اقوال کا ذکر کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۴۴)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور ابن زید نے کہا:

''اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے، اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، پھر بیس سال تک حضرت جبرائیل نبی ﷺ پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کرتے رہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے''۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور توراۃ چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور سولہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ نیز قتادہ نے کہا: لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۸) ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ رات لیلۃ القدر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا، پھر لیلۃ القدر کے علاوہ دوسری راتوں اور دنوں میں نازل فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۹)

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: لیلۃ القدر میں لوح محفوظ نقل کر کے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کتنا رزق دیا جائے گا، کتنے لوگ مریں گے، کتنے لوگ زندہ رہیں گے، کتنی بارشیں ہوگی، حتی کہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۲۲۸۷، رقم الحدیث: ۱۸۵۲۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ بھی اس رات سے مراد رمضان کی شب قدر لیتے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے، عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں شب ہے، ان کی یہ حدیث مرسل ہے، جب کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ شب، لیلۃ القدر ہے۔عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک زندگی کی مدتیں منقطع ہوجاتی ہیں، حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام فخرالدین محمد عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی ''برکتوں والی رات'' سے مراد رمضان کی شب قدر پر کئی دلائل نقل کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵۳۔ ۶۵۲، داراحیاالتراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

''برکتوں والی رات'' سے نصف شعبان کی شب مراد ہونے کے متعلق روایات

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب ہے، اس میں ایک سال کے معاملات پختہ کردیے جاتے ہیں اور زندوں کا نام مردوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور حج کرنے والوں کا نام لکھ دیا جاتا ہے پس اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۰۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷، رقم الحدیث: ۱۸۵۳۱، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ ھ، کنز العمال ج ۱۲ ص ۳۱۴، رقم الحدیث: ۳۵۱۷۷، معالم التنزیل ج ۴ ص ۶۹۴، رقم الحدیث: ۴۲۷۸۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی لوگوں کے درمیان چل رہا ہوتا ہے، حالانکہ وہ مردوں میں اٹھایا ہوا ہوتا ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی: ''انا انزلہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم'' (الدخان: 3-4) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس رات میں ایک سال سے دوسرے سال تک دنیا کے معاملات کی تقسیم کی جاتی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۱۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ ھ، الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

ابو الضحیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو معاملات کے فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ان فیصلوں کو ان کے اصحاب کے سپرد کردیتا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں:

''وہ کون سی رات تھی، علماء کے اس میں دو قول ہیں، حضرات ابن عباس، قتادہ اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر تھی کیونکہ سورہ قدر میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر اور عکرمہ اور ایک جماعت کا خیال ہے یہ پندرہ شعبان کی رات تھی لیکن صحیح پہلا قول ہے''۔

دونوں اقوال میں تطبیق

اس ساری بحث کا خلاصہ اور تطبیق صاحبِ تفسیر الحسنات نے یوں فرمائی:

''اب لیلۃ مبارکہ کی تحقیق حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ غنیۃ میں اور دیگر مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں شعبان کی 15 تاریخ بتائی ہے، حالانکہ نزول قرآن کی اطلاع و ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی اور ستائیسویں شب اس کی تصریح بھی آئی یہاں لیلۃ مبارکہ سے شعبان کی 15 دکھائی گئی اس کی تطبیق یوں لکھی ہے کہ لوحِ محفوظ سے بیت النور کی طرف 15 شعبان کو نزول قرآن ہوا اور بیت النور سے قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ستائیسویں شب رمضان کو نزول ہوا''۔

گزارش

سورۃ الدخان کی آیات میں اگر شب برأت مراد نہ بھی لی جائے تو اس رات کی فضیلت بارے کثرت کے ساتھ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتی ہیں جن سے علم ہوتا ہے کہ یہ رات معمولی رات نہیں اس میں عبادت و ریاضت ہونی چاہیئے، احادیث ملاحظہ فرمائیں:

''برکتوں والی رات'' سے متعلق صحاح کی احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۳۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گم پایا، میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم کو یہ خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس گئے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بیشک اللہ عزوجل نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کے گناہ معاف کردیتا ہے''۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۹، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۷، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۳۴۶)

امام محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان رات ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ سبحانہ، اس رات میں غروب شمس سے آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: سنو! کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کی بخش دوں، سنو! کوئی رزق طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو رزق دوں، ''سنو! کوئی مصیبت زدہ ہے تو میں اس کو عافیت میں رکھوں، سنو کوئی، سنو کوئی (وہ یونہی فرماتا رہتا ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے''۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۶، جمع الجوام رقم الحدیث: ۱۷۳۵، جامع المسانید والسنن مسند علی رقم الحدیث: ۱۴۰۷، اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک اللہ سبحانہ، شعبان کی شب کو متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے، ماسوا مشرک اور کینہ پرور کے''۔ (مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۰، شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۰۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۱، صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۴۷۰، اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مومنوں کو بخش دیتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رکھنے والوں کو ان کے کینہ کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے کینہ کو ترک کردیں''۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۴، الترغیب للمنذری ج ۲ ص ۱۱۹)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں، کوئی سائل ہے تو میں اس کو عطا کروں، پس جو شخص بھی سوال کرتا

ہے اس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے ماسوا فاحشہ رنڈی کے یا مشرک کے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۱۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نصف شعبان کی شب ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بستر سے نکل جاتے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے بستر کی چادر ریشمی تھی نہ سوتی تھی۔ ہم نے کہا: سبحان اللہ! پھر وہ کس چیز کی تھی؟ آپ نے فرمایا، وہ اونٹ کے بالوں کی تھی، آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہوا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس چلے گئے ہیں، میں آپ کو گھر میں ڈھونڈ رہی تھی کہ میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا، اس وقت آپ سجدہ ریز تھے، اس وقت جو آپ دعا پڑھ رہے تھے میں نے اس کو یاد رکھا، وہ یہ دعا تھی: میرا جسم اور ذہن تجھے سجدہ کر رہا ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے، میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے بڑے بڑے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے بخش دے، بیشک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا، میں تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ میں آتا ہوں، میں تیری ایسی حمد وثناء نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی حمد وثناء کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور آپ کے مبارک پاؤں سوج گئے تھے۔ میں آپ کے پیر دبا رہی تھی اور میں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں، آپ نے اپنے آپ کو بہت تھکایا ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کو معاف فرما چکا ہے، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تو کیا میں اللہ

شکر گزار بندہ نہ بنوں، کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس رات میں اس سال اولاد آدم سے ہر پیدا ہونے والے کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور اس سال اولاد آدم سے ہر مرنے والے کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور اس رات میں لوگوں کے اعمال اوپر لے جائے جاتے ہیں اور اس سال ان کا رزق نازل کیا جاتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص بھی اللہ سبحانہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر تین مرتبہ فرمایا: میں بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ سبحانہ، مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۶، الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰-۳۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ نصف شعبان کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرے میں تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر میرے بستر میں داخل ہو گئے، رات کے کسی وقت جب میں بیدار ہوئی تو میں نے آپ کو بستر میں نہیں پایا، پھر میں اٹھ کر آپ کی ازواج کے حجروں میں ڈھونڈتی پھری، آپ مجھے وہاں نہیں ملے، میں نے سوچا کہ شاید آپ اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس چلے گئے ہیں، میں پھر نکلی اور مسجد سے گزری، پھر میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا، اس وقت آپ سجدہ میں یہ دعا کر رہے تھے: میرا جسم اور ذہن تیرے لیے سجدہ ریز ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے اور یہ میرا وہ ہاتھ ہے جس سے میں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے، سوائے عظیم! عظیم گناہ کو تو عظیم رب ہی معاف کر سکتا ہے، پس تو میرے عظیم گناہ کو معاف فرما دے۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ اپنا سر اٹھا کر یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! تو مجھے ایسا دل عطا فرما جو پاکباز ہو، برائی سے بری ہو، نہ کافر ہو نہ شقی ہو، پھر آپ دوبارہ سجدہ میں گئے اور یہ دعا کی: میں تجھ سے اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح میرے بھائی داؤد نے دعا کی تھی: اے میرے مالک! میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہوں اور تمام چہروں کا حق یہی ہے کہ وہ اس کے چہرے کے سامنے خاک آلودہ ہوں، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے کہا: آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں، آپ کس وادی میں ہیں؟ اور میں کس وادی میں تھی؟ آپ نے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم جانتی ہو کہ یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اور بیشک اس رات میں اللہ کے لیے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگ دوزخ سے آزاد ہونے والے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کی بکریوں کے بال ان سے زیادہ نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: چھ آدمیوں کی اس رات بھی بخشش نہیں ہوگی عادی شرابی، ماں باپ سے قطع تعلق کرنے والا، زنا پر اصرار کرنے والا، رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا، تصویر بنانے والا اور چغل خور۔

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۷، الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰)

امام بیہقی فرماتے ہیں:

جن احادیث میں وارد ہے کہ اللہ سبحانہ، آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے، یہ صحیح احادیث ہیں، اسانید صحیحہ سے منقول ہیں اور ان کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وجاء ربك والملك صفا صفا
(الفجر:22)

''اور آپ کا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ ہو جائیں گے''۔

اور آسمان سے نازل ہونا اور آنا اگر حرکت کے ساتھ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت کے ساتھ ہو تو ایسی صفات اللہ سبحانہ سے منتفی ہیں بلکہ یہ اللہ عزوجل کی ایسی صفات ہیں جو مخلوق کی کسی صفت کے ساتھ مماثل اور مشابہ نہیں ہیں اور نہ ان صفات کی کوئی تاویل ہے جیسا کہ معطلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ سبحانہ اس طرح آتا ہے جس طرح آنا اس کے شایان شان ہے اور اس طرح نزول فرماتا ہے جو اس کو زیبا ہے۔ (فضائل الاوقات ص ۱۳۴-۱۳۳، مکتبۃ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں:

امام الدینوری نے "المجالسۃ" میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصف شعبان کی رات کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سال جس بندہ کی روح قبض کرنا چاہتا ہے ملک الموت کو اس رات اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام ابن ابی الدنیا عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو

ملک الموت کوایک صحیفہ دیا جاتا ہے اوراس سے کہا جاتا ہے: اس صحیفہ کو پکڑلو، ایک بندہ بستر پر لیٹا ہوگا اور ازواج سے نکاح کرے گا اور گھر بنائے گا اوراس کا نام مردوں میں لکھا جاچکا ہوگا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو کھولتا ہے بقرعید کی رات، عیدالفطر کی رات، نصف شعبان کی رات جس میں لوگوں کی زندگیوں اور رزق کے متعلق لکھا جاتا ہے اور اس میں حج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور عرفات کی شب میں فجر کی اذان تک۔ (الدرالمنثور ج ۷ ص ۳۴۸۔ ۳۴۹، ملتقطاً داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بزرگانِ دین کے معمولات

بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین بھی یہ رات عبادتِ الٰہی میں بسر کیا کرتے تھے حضرت سیّدُنا خالد بن مَعدان، حضرت سیّدُنا لقمان بن عامر اور دیگر بزرگانِ دین رحمہم اللہ المبین شعبانُ المُعَظَّم کی پندرھویں (15ویں) رات اچھا لباس پہنتے، خوشبو، سُرمہ لگاتے اور رات مسجد میں (جمع ہوکر) عبادت کیا کرتے تھے۔ (ماذا فی شعبان، ص75) امیرُ المؤمنین حضرتِ سیّدُنا عمر بن عبدالعزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز بھی شبِ برأت میں عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔

(تفسیر روح البیان، پ25، الدخان، تحت الآیۃ:3، ج8، 402)

اہلِ مکّہ کے معمولات

تیسری صدی ہجری کے بزرگ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق فاکہی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: جب شبِ براءت آتی تو اہلِ مکّہ کا آج تک یہ طریقۂ کار چلا آرہا ہے کہ مسجدِ حرام شریف میں آجاتے اور نماز ادا کرتے ہیں، طواف کرتے اور ساری رات عبادت اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے ہیں، ان میں بعض لوگ 100 رکعت (نفل نماز) اس طرح ادا کرتے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے۔ زم زم شریف پیتے، اس سے غسل کرتے اور اسے اپنے مریضوں کے لیے محفوظ کر لیتے اور اس رات میں ان اعمال کے ذریعے خوب برکتیں سمیٹتے ہیں۔ (اخبار مکہ، جز:3، ج2، 84 ملخصاً)

(بحوالہ: شعبہ فیضان صحابہ واہل بیت، المدینۃ العلمیہ، باب المدینہ کراچی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تابعین میں سے جلیل القدر حضرات مثلاً حضرت خالد بن معدان، حضرت مکحول، حضرت لقمان بن عامر اور حضرت اسحٰق بن راہویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں جمع ہوکر شعبان کی پندرہویں شب میں شبِ بیداری کرتے تھے اور رات بھر مساجد میں عبادات میں مصروف رہتے تھے"۔ (ما ثبت من السنہ 202، لطائف المعارف ص 144)" اب بھی پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، ترکی وغیرہ میں مسلمان شب بیداری کا اجتماعی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ شامی میں اس مبارک رات کے اعمال کی تفصیل اور اس کے ادا کرنے کی صورت نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں قیام کی صورت یہ ہے کہ کسی مخصوص تعداد کا التزام کیے بغیر تنہا تنہا نفل نمازیں پڑھی جائیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، حدیثیں پڑھی اور سنی جائیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی ثناء کی جائے، درود شریف کا ورد کیا جائے۔

(ردالمحتار)

امام قسطلانی قدس سرہ النورانی نقل فرماتے ہیں: بیشک شعبان کا مہینا نبیِّ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا مہینا ہے کہ آیت: (اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ) (پ22، الاحزاب: 56) (اس آیت کی مزید وضاحت کے لیے یہاں کلک کریں) اسی مہینے میں نازل ہوئی۔ (مواھب لدنیہ، ج2، ص506)

شب برأت اور علماء اہل حدیث

علامہ ابن تیمیہ سے نصف شعبان کی رات نماز کے بارے میں سوال کیا گیا: تو ابن تیمیہ نے جواب دیا:

"اس رات میں کوئی تنہا یا مخصوص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ اسلاف کے بہت سے لوگوں کا یہ معمول تھا، تو یہ اچھا عمل ہے"۔

(فتاوی شیخ الاسلام، جلد23، ص131)

نامور اہل حدیث عالم اور شارح حدیث علامہ عبدالرحمان مبارک پوری ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ نصف شعبان کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سب کے مجموعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان احادیث کی کوئی نہ کوئی اصل ہے"۔ (شرح ترمذی، تحفۃ الاحوذی جلد2 ص52)

اس کے بعد نصف شعبان پر متعدد حدیثیں نقل کیں ہیں اور کہا:

"یہ تمام حدیثیں ان لوگوں پر حجت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نصف شعبان کی فضیلت کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں"۔

(شرح ترمذی، تحفۃ الاحوذی جلد2 ص53)

علامہ البانی نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو ان لوگوں کا یہ کہنا جلد بازی کا نتیجہ ہے، ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ (سلسلۃ الاحادیث) آپ نے اصلاح المساجد کے مؤلف علامہ شام محمد جمال الدین القاسمی کے اس شب کے سلسلہ میں کسی صحیح حدیث کے نہ ہونے کے حکم وفیصلہ پر کلام فرمایا ہے کہ حدیث بطریق مالک بن عامر بن معاذ ابن جبل عن النبی مروی ہے (جو اوپر گزری ہے) اس حدیث کی تخریج حضرت ابن ابی عاصم نے 'السنۃ' میں اور حضرت ابن حبان نے "صحیح" میں کی ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں اور حدیث صحیح ہے اس لیے مصنف کا قول کہ شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، ناقابل توجہ ہے، ہاں اس سے بدعات کا جواز البتہ نہیں نکلتا۔

(اصلاح المساجد)

شب برأت کے سلسلہ میں بعض مروی احادیث "صحیح"، کچھ "حسن" اور ایک حدیث "مرسل جید" ہے۔ اس کے علاوہ ساری احادیث کی سند کمزور ہے لیکن اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی تعداد سے روایات موجود ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۳۔ ۳۴ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات نقل کی ہیں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب "الدرالمنثور" میں پندرہ سے زائد احادیث مرفوعہ موقوفہ ذکر فرمائی ہیں۔ اسی تعداد کی طرف اور کثرت روایات کی بنا پر ان ضعیف روایات کو بھی ایک طرح کی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے شب برأت

سے متعلق مروی احادیث بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ''یہ احادیث مجموعی اعتبار سے ان لوگوں کے خلاف حجت و دلیل ہیں، جن کا یہ خیال ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت کے سلسلے میں کچھ ثابت نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

شب برأت اور علماء دیوبند

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن میں شب برأت کے متعلق سوال کیا گیا تو دارالافتا سے جواب ملا:

شعبان کی پندرہویں شب ''شب برأت'' کہلاتی ہے۔ یعنی وہ رات جس میں مخلوق کو گناہوں سے بری کردیا جاتا ہے۔ تقریباً دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس رات کے متعلق احادیث منقول ہیں۔ (اس کے بعد چند احادیث بیان کی گئیں) اس کے بعد یہ فتویٰ دیا گیا کہ

''بہر حال اس رات کی فضیلت بے اصل نہیں ہے اور سلف صالحین نے اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھایا ہے''۔

مفتی شفیع صاحب نے اپنے رسالہ ''شب برأت'' میں تحریر فرمایا ہے کہ (حضرات صحابہ وتابعین سے اس رات میں جاگنا اور اعمال مسنونہ پر عمل کرنا قابل اعتماد روایات سے ثابت ہے نیز علامہ عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بعض تابعین سے اس موقع پر نماز اور ذکر وفکر کی صورت میں شب بیداری کا ثبوت ملتا ہے۔ (فتاویٰ برائے خواتین) حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رات میں اجتماعی طور پر عبادت، تلاوت اور ذکر ودعا کو مکروہ بتایا ہے لیکن انفرادی طور پر ان اعمال کو مستحسن ومحمود ومطلوب بتایا ہے۔ (لطائف المعارف)

مفتی تقی عثمانی اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات میں بقیع میں گئے اس لیے اس رات میں قبرستان جانے میں کوئی حرج نہیں۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے انسان اس رات بھی محروم رہتا ہے

بعض گناہوں کی وجہ سے شب برأت میں مسلمانوں کی مغفرت نہیں ہوتی اور ان کی دعائیں قبول ہونے سے محروم رہتی ہیں، وہ گناہ یہ ہے: شرک، زنا، قتل ناحق، کینہ اور بغض، والدین کی نافرانی، قطع رحم، عادۃ شراب پینا، چغلی کھانا اور تصویریں بنانا۔

شب برأت میں شب بیداری کرنا اور مخصوص عبادات کرنا

امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ ''قوت القلوب'' سے نقل فرماتے ہیں:

پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کر فرمایا:) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے کہ اس میں شب بیدار رہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سو رکعت ہزار مرتبہ قل ھواللہ احد کے ساتھ ادا کرتے، ہر رکعت میں دس دفعہ قل ھواللہ احد پڑھتے، اس نماز کا نام انھوں نے صلوٰۃ الخیر رکھا تھا، اس کی برکت مسلمہ تھی، اس رات (یعنی) پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۱۸، طبع جدید، لاہور، قوت القلوب ج ۱ ص ۶۲، دارصادر، بیروت)

امام احمد رضا فاضل بریلوی، علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کی ''لطائف المعارف'' سے نقل فرماتے ہیں:

''اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول ولقمان بن عامر وغیرھم شب برأت کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انھیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے، کوئی کہتا ہے: انھیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے، خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہوگئے، ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برأت کے موافق ہوئے، ان میں سے ایک گروہ عابدین اہل بصرہ وغیرھم ہیں اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا، ان میں سے ہیں: امام عطاء وابن ابی ملیکہ وحمید الرحمن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرھم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے، علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے، خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرہ ھم اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے، بخور کا استعمال کرتے، سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے، امام مجتہد اسحاق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ، دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۳ طبع جدید، لاہور، لطائف المعارف ج ۱ ص ۲۲۷۔ ۲۲۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح اور دیگر نوافل کو باجماعت پڑھنا

برصغیر میں معمول یہ ہے کہ شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھی جاتی ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، اعلیٰ حضرت نے باحوالہ لکھا ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں ہے صرف تنزیہی ہے اور اگر دوام کے ساتھ نوافل کی جماعت نہ کرائی جائے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علیٰ سبیل الداعی ہو تو صدر شہید کی ''اصل'' میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان وتکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اصح کراہت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۱ طبع جدید، خلاصہ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

خلاصہ کلام

- شب برأت نہایت عظیم الشان اور فضیلت مآب رات ہے۔
- بعض مفسرین کے نزدیک سورہ الدخان کی آیت نمبر 3 میں شب برأت کا ذکر ہے۔
- اس برکتوں والی رات میں خوب عبادت وریاضت کرنی چاہیے۔
- اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنی چاہیے۔
- قبرستان جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔
- باجماعت نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں، بزرگوں کا طریقہ ہے۔
- کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو اس مبارک رات میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم کردیتے ہیں
- ہر مکتب فکر کے علما اس رات کی عظمت کے قائل ہیں۔
- اجتماعی عبادت بزرگان دین کا پرانا طریقہ ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

مولانا عبد المجتبیٰ رضوی

صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

ولادت

آپ مقام ابواء (جو مکہ و مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے) بتاریخ 7 یا 10 صفر المظفر بروز یکشنبہ 128 ھ کو مروان الحار بن محمد بن مروان بن الحکم اخیر خلیفہ بنی امیہ کے عہد میں پیدا ہوئے۔

نام وکنیت

آپ کا نام پاک موسیٰ اور کنیت سامی، ابوالحسن، ابوابراہیم ہے۔

لقب

اور لقب آپ کا صابر، صالح، امین اور اشہر لقب کاظم ہے۔

والدین کریمین

آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں اور والدہ ماجدہ حضرت ام ولد بی حمیدہ بربریہ ہیں۔

حلیہ مبارکہ

آپ سروقد لاعزا ندام اور نہایت حسین وجمیل تھے رنگ مبارک گندم گون تھا مگر بعضوں نے آپ کو سیاہ فام لکھا ہے۔

فضائل

آپ ساتویں امام سلسلہ عالیہ قادریہ کے ہیں اور شہزادے ہیں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آپ عالم متجر اور ولی کامل اور صاحب مناقب فاخرہ تھے۔ مستجاب ایسے تھے کہ جولوگ آپ کو اپنا وسیلہ گردانتے یا آپ سے دعا کراتے وہ اپنے مقصود کو پہنچتے اور ان کی جملہ حاجتیں پوری ہو جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عراق آپ کو باب الحوائج یعنی حاجتوں کے پورا ہونے کا دروازہ کہتے تھے چنانچہ بعد وصال بھی آپ کا مزار مقدس باب الحوائج ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک اجابت دعا کے لیے تریاق اعظم کا حکم رکھتی ہے اور آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے تمام فرزندوں میں موسیٰ کاظم بہترین فرزند ہیں۔ وہ ایک موتی ہے اللہ تعالیٰ کے موتیوں سے اور صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے کو ذریت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیوں کہتے ہیں حالانکہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں؟ اور آدمی کا نسب دادا سے ہوا کرتا ہے نہ کہ نانا سے؟ تو آپ نے یہ آیۃ کریمہ پڑھی:

" ومن ذریته دائود وسلیمان وایوب ویوسفوموسیٰ وھارون۔ وکذالک المحسنینوزکریاویحییٰوعیسیٰ"۔

دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ملحق بذریت انبیاء ان کی والدہ ماجدہ کی طرف سے کیا ہے اسی طرح سے ہم بھی والدہ ماجدہ کی طرف سے ملحق بذریت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دوسری دلیل ہماری ذریت ہونے کی یہ ہے کہ مباہلہ نصاریٰ کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" قل تعالوا ندعو ابناءنا" حضرت رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے ساتھ لیا۔ تو اس آیۃ کریمہ سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اولاد حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی اور ہم اولاد امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ یہ مدلل ومبرہن دلیل سن کر خلیفہ ہارون رشید کو اطمینان ہوا۔

عادات وصفات

آپ بڑے عابد وزاہد، قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ بسبب کثرت عبادت وریاضات اور شب بیداری کے عبد الصالح کہے جاتے تھے اور حلم و بردباری کا یہ عالم تھا کہ آپ کا لقب کاظم ہوا جس کے معنی ہی غصہ پی جانے والے کے ہیں اور جود و کرم کا یہ رتبہ تھا کہ فقراء مدینہ کا تلاش کر کے ہر ایک کو روپیہ و اشرفی وغیرہ حسب ضرورت راتوں کو پہنچایا کرتے تھے اور وہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ کہاں سے آیا ہے جب کوئی سائل سامنے آجاتا قبل اس کے کہ وہ لب کھولے آپ اس کے سوال کو پورا کر دیتے تھے، منکسر المزاجی اس درجہ تھی کہ جب کوئی شخص سامنے آتا تو آپ ہی سلام میں سبقت کرتے اور اگر معلوم ہوتا کہ کوئی شخص آپ کو ایذا پہنچانے میں لگا ہوا ہے تو آپ اس کی بھی مدد کرتے اور اشرفی و دینار سے اسے بھی نوازتے۔

حضرت شفیق بلخی کا بیان

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے عبادت و ریاضت وتقویٰ وطہارت پر آپ کے عصر کے ایک عظیم بزرگ عیسیٰ کی شہادت ملاحظہ فرمائیں وہ روایت حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں 149ھ میں زیارت حرمین طیبین کو جاتے ہوئے راستہ میں قادسیہ شہر میں قیام کیا اور وہاں کے لوگوں کے عادات واطوار کو دیکھ رہا تھا کہ میری نظر ایک خوبصورت نوجوان پر پڑی جو اپنے کپڑوں کے اوپر ایک صوف کا کپڑا زیب تن کیے ہوئے تھا اور پاؤں میں جوتا تھا اور وہ لوگوں سے الگ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ نوجوان صوفی قسم کے لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے اور شاید چاہتا ہے کہ راستہ میں لوگوں پر بوجھ بنے واللہ! میں اس کو ضرور سمجھاؤں گا۔ اسی خیال سے میں اس کے قریب گیا جب اس نے مجھ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہا اے شفیق! ''اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم''۔ اور مجھے چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ اس نے میرا نام لے کر

میرے دل کی بات بتادی (حالانکہ وہ مجھ کو بالکل نہیں جانتا) یہ تو یقینا کوئی بزرگ آدمی ہے میں اس کے پیچھے جاؤں اور اس سے مل کر اپنے گمان کی معافی کراؤں میں جلدی جلدی اس کے پیچھے چلا مگر وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا اور کافی تلاش کے بعد بھی وہاں اس کو نہ پا سکا۔ اس کے بعد جب ہم لوگ وادیٔ فضہ میں اترے تو اسی مرد کو وہاں نماز پڑھتے ہوئے پایا اور دیکھا کہ اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں میں پھر اس کی طرف بڑھا تا کہ اپنے گمان کی معافی کراؤں اتنے میں اس نے سلام پھیر کر میری طرف دیکھا اور فرمایا اے شفیق پڑھو:

وانین لغفار لمن تاب وأمن وعمل صالحاثم اهتدى۔

''بے شک میں غفار ہوں اس شخص کے کیے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل صالح کیا پھر اچھی راہ چلا''۔

یہ آیت پڑھی اور مجھے چھوڑ کر چل دیا میں نے کہا یہ نوجوان تو ابدال میں سے معلوم ہوتا ہے دو مرتبہ میرے دل کی بات مجھ پر ظاہر فرما دی۔ جب ہم منیٰ میں پہنچے تو پھر میں نے اس کو دیکھا کہ وہ ایک کنویں پر ایک بڑا سا پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اور کنویں سے پانی لینے کا ارادہ کر رہا ہے کہ اچانک وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے کنویں میں گر گیا اور اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھا۔

انت ربی اذا ظمئت من الماء وقوتی اذا اردت الطعام ما

''یعنی تو ہی میرا پالنے والا ہے جبکہ میں پانی سے پیاسا ہو جاؤں اور تو ہی میری قوت ہے جبکہ میں کھانے کا ارادہ کروں''

پھر اس نے کہا اے اللہ! اے میرے معبود! اے میرے آقا! تو جانتا ہے کہ اس پیالے کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے تو مجھے اس پیالے سے محروم نہ کر۔ خدا کی قسم، میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر آ گیا اور اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پیالہ پانی سے بھر کر نکال لیا اور وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھی اس کے بعد ریت کی مٹی اکھٹی کر کے پیالہ میں ڈالتا جا رہا تھا اور ہلا کر پیے جا رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا اللہ کے دیے ہوئے اس انعام سے کچھ بچا کھچا مجھے بھی عنایت فرمائیں؟ ارشاد فرمایا اے شفیق! ہم پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں رہی ہیں اس لیے تو اپنے رب کے ساتھ نیک گمان رکھو۔ وہ پیالہ مجھے عنایت فرما دیا اور خود چل دیا۔ جب میں نے اس کو پیا تو خدا کی قسم! وہ نہایت لذیذ خوشبودار اور میٹھا ستو تھا اور ایسا ستو میں نے عمر میں کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر اس ستو کو پیا چنانچہ اس کی برکت سے کئی دن تک مجھے بھوک اور پیاس معلوم ہی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے تک میں نے اس کو نہ دیکھا اور جب ہم لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت قبۂ زمزم کے پاس اس کو پڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے اور خوب روتے ہوئے دیکھا صبح صادق تک اسی طرح نماز پڑھتا رہا پھر وہیں بیٹھ کر تسبیح پڑھتا رہا اور فجر کی نماز پڑھ کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ طواف کے بعد جب باہر جانے لگا تو میں بھی پیچھے چل پڑا اور باہر جا کر دیکھا تو راستہ میں جس حالت سے دیکھتا آیا تھا اس کے بالکل خلاف پایا دیکھا کہ اس کے ساتھ اس کے دوست، خدام اور غلام موجود تھے۔ جنہوں نے اس کے آتے ہی چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کی خدمت میں سب سلام پیش کر رہے تھے میں نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ من هذا لفتیٰ یہ نوجوان کون ہے؟ تو اس نے کہا یہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔

روایت کیا مذکورہ بالا واقعات کو ابن جوزی نے اپنی کتاب مثیر الغرام میں اور جنابذی نے معالم العترۃ النبوۃ میں اور رامہرمزی نے کرامات الاولیاء میں۔

مہدی بن منصور کا قید کرنا

مہدی بن منصور نے آپ کو مدینہ سے عراق بلوا کر قید کر لیا۔ تو رات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ مہدی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے مہدی فهل عصيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم۔

ربیع کا بیان ہے کہ اسی وقت مہدی نے مجھے طلب کیا اور جب میں گیا تو مہدی یہ آیت مذکور بڑے ہی خوش الحانی کے ساتھ بآواز بلند پڑھ رہا تھا اور مہدی نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ موسیٰ بن جعفر کو جیل خانے سے لے آؤ۔ جب حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ سے مہدی نے معانقہ کیا اور بڑی عزت سے بٹھایا اور خواب کا حال آپ سے بیان کیا اور کہا کہ مجھے اطمینان دلا دیجیے کہ آپ مجھ سے باغی تو نہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نہ تم سے اب تک مقابلہ کیا اور نہ اب مقابلہ کروں گا اس کے بعد ربیع کو حکم دیا کہ حضرت کو دس ہزار دینار دے کر رخصت کرو اور مدینہ منورہ تک پہنچا دو۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے رات ہی رات سامان سفر تیار کیا اور دس ہزار دینار دے کر آپ کو رخصت کیا کہ کہیں پھر وہ آپ کو ایذا نہ پہنچائے اور آپ بآرام مدینہ منورہ پہنچ جائیں۔

قیام بغداد اور ہارون رشید کے مظالم

مدینہ منورہ سے آپ کو بغداد جانے کا یہ سبب ہوا کہ ایک روز آپ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ہارون رشید آیا اور کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خفیہ بیعت لیتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں دلوں کا امام ہوں اور تو جسموں کا امام ہے اور جس روز دلوں کا امام اور جسموں کا امام دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو کھڑے ہوں گے اور رشید عرض کرے گا۔ السلام علیک یا بن عم اور کاظم عرض کرے گا۔ السلام علیک یا ابت۔ اس بات پر ہارون رشید نے آپ کو گرفتار کر لیا اور بغداد میں لا کر قید کر دیا۔ مسلسل ایک سال تک آپ کو بغداد میں عیسیٰ بن جعفر بن منصور نے قید رکھا۔ ایک سال کے بعد ہارون رشید نے حکم نامہ لکھا کہا ان کو قتل کر دو تا کہ بے فکری حاصل ہو عیسیٰ نے بعض خواص کو بلا کر مشورہ کیا اور رشید کا خط دکھایا انہوں نے کہا میرا یہ مشورہ ہے کہ تم اس کام سے مستعفی ہو جاؤ اور اس کام میں مت پڑو۔ اس کے بعد عیسیٰ نے ہارون رشید کو خط لکھا جو اس طرح ہے:

''اے امیر المومنین! آپ نے حضرت کاظم کے بارے میں جو تحریر کیا ہے تو یہ مدت سے میری قید میں ہیں اور اس طویل مدت میں میں نے اس کا امتحان لیا تو اس سے کوئی برائی ظاہر نہ ہوئی اور کبھی حضور کا ذکر بجز خیر کے نہیں کیا اور کوئی مکروہ اور خراب نظر اس کی تمہاری حکومت وولایت پر نہیں اور نہ ہی وہ آپ پر خروج کرنا چاہتا ہے اور نہ اس کے پاس اسباب دنیا سے کوئی چیز ہے اور نہ کبھی اس نے حضور پر بلکہ کسی شخص پر بد دعا کی اور یہ دعا نہیں کرتا مگر رحمت اور مغفرت کی اور اس دعائے رحمت میں آپ اور جملہ مسلمانوں کو شامل کرتے ہیں اور وہ روزہ، نماز اور عبادت کا سخت پابند ہے اگر امیر المومنین مجھ کو اس امر سے معاف کریں اور

میرے بجائے کسی دوسرے کو یہ کام سپرد کر دیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس کو چھوڑ دوں گا کیونکہ میں اس کام سے نہایت ہی تکلیف میں ہوں''۔

جب یہ خط ہارون رشید کے پاس پہنچا تو اس نے سندی بن شاہک کو لکھا کہ تو موسیٰ کاظم کو عیسیٰ بن جعفر سے لے کر جو حکم میں نے دیا ہے اس کی تعمیل کر۔ سندی نے کھجور میں زہر ملا کر دیا اس سے آپ شہید ہوئے۔

کرامات

شیر کی تصویر کو زندہ فرما دیا

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کشف و کرامات کے میدان میں بھی یکتائے روزگار تھے اور حقانیت کے علمبردار تھے حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہنے میں ذرہ برابر چوکتے نہ تھے اور کسی بھی تخت و تاج والے کا آپ کی شان بلندی کے آگے رعب و دبدبہ نہ چلتا بایں خصوصیات و کرامات کے آپ سے بے شمار محیر العقول کرامات بھی صادر ہوتے جن میں سے چند یہ ہیں کہ ایک مرتبہ آپ خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں تشریف فرما تھے اتنے میں معجزہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چھڑ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس شیر کی تصویر جو قالین پر بنی ہے اس کو کہوں کہ ابھی شیر اصلی ہو جا یہ جملہ آپ کی زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ فوراً وہ تصویر شیر اصلی ہوگئی۔ آپ نے اس شیر کو حکم دیا کہ ٹھہر جا میں نے ابھی تم کو حکم نہیں دیا ہے یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ بدستور تصویر شیر کا عین ہوگئی۔

وہ آج کی رات مر جائے گا

اسحٰق بن عمار کہتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو قید کیا تو ایک رات حضرت ابو یوسف اور محمد بن حسن صاحبین امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں جیل کے اندر تشریف لے گئے اور سلام عرض کر کے آپ کے پاس بیٹھ گئے اور چاہا کہ آپ سے کچھ سوالات کریں تا کہ آپ کی خداداد صلاحیت دینی کا اندازہ ہو اتنے میں ایک جیل خانے کا محافظ سپاہی آیا اور عرض کیا کہ میری ڈیوٹی ختم ہوگئی ہے اب میں جاتا ہوں انشاء اللہ کل آؤں گا اگر تمہارا کوئی کام ہو تو بیان کرو تا کہ میں کل اس کو انجام دے کر آؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ میرا کوئی کام نہیں ہے پھر آپ نے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے کہ یہ مجھ سے کہتا ہے کہ کوئی حاجت ہو تو میں کل کے دن کر کے آؤں گا حالانکہ وہ آج کی رات ہی مر جائے گا۔ اس جملہ کو سننے کے بعد دونوں صاحبان سوال کرنے سے رک گئے اور کچھ دریافت نہ کیا اور کہا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم فرض و سنت کے بارے میں سوالات کرتے، مگر یہ تو ہمارے ساتھ علم غیب میں با ت چیت کرنے لگے واللہ! ہم ایک شخص کو اس کے ساتھ بھیجیں گے تا کہ وہ اس کے ساتھ رات بسر کرے اور دیکھے کہ کیا ہوتا ہے اس کے بعد اس سپاہی کے پیچھے ان دونوں صاحبان نے ایک شخص کو روانہ کیا۔ وہ شخص اس سپاہی کے دروازے پر بیٹھ کر انتظار کرتا رہا جب رات گزری تو اس کے کان میں رونے اور چلانے کی آواز آئی۔ اس شخص نے گھر والے سے پوچھا خیر تو ہے؟ جواب ملا کہ گھر والا انتقال کر گیا ہے۔ قاصد نے آ کر جب یہ خبر سنائی تو ان دونوں کو سخت تعجب ہوا۔ کذا فی الفصول المہمہ

غیب کی باتیں بتا دیں

عیسیٰ مدائنی کہتے ہیں کہ میں ایک سال مکہ معظمہ گیا اور وہاں سال بھر تک خدمت گزاری کرتا رہا پھر میں نے خیال کیا کہ ایک سال مدینہ منورہ بھی قیام کروں اس لیے کہ اس عمل میں ثواب عظیم ہوگا۔ تو میں مدینہ منورہ میں آیا اور مصلیٰ کی طرف دار بوذر کے پہلو میں اترا اور حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے پاس بھی اس درمیان میں آتا جاتا تھا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ بارش ہو رہی تھی اور میں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا کہ: اے عیسیٰ! اٹھو اور جا کر دیکھو کہ تیرا گھر تیرے سامانوں پر گر گیا ہے۔ میں وہاں سے اٹھ کر گھر گیا تو دیکھا کہ واقعی گھر سامان پر گرا ہوا ہے۔ فوراً میں نے ایک شخص کو کرایہ دے کر اپنا تمام سامان باہر نکلوایا بلکہ تمام کو اندر سے نکلوا لیا اور لوٹے کا پتہ نہ چلا۔ جب دوسرے دن میں حضرت کے پاس گیا تو فرمایا کہ کیا تمہارے سامانوں میں سے کوئی چیز غائب بھی ہوتی ہے؟ اگر گم ہوئی ہو تو بتاؤ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تجھ کو اس کا بدلہ عطا کرے۔ میں نے کہا سوائے لوٹے کے کوئی چیز گم نہیں ہوئی ہے آپ نے تھوڑی دیر سر نیچے کر کے اٹھایا اور کہا کہ گھر گرنے سے پہلے ہی تم نے اس کو کسی دوسری جگہ رکھ دیا تھا اور اس کو بھول گئے گھر والے کی کنیز سے کہو کہ میں پاخانے میں اپنا لوٹا بھول گیا ہوں وہ مجھے دے دو جب میں نے اس کنیز سے یہ کہا تو فوراً اس نے لوٹے کو مجھے واپس کر دیا۔

زربفت کو محفوظ رکھ

عبد اللہ بن ادریس بن سنان سے مروی ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ علی بن یقطین کو لباس فاخرہ بطور اعزاز و اکرام کے بھیجا انہوں نے اس میں سے ایک زراعہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت نے اسے واپس فرما دیا اور یہ تحریر کر کے خط دیا۔ **احتفظ علیها و لا تخرجها عن یدیک فسیکون لک بها شان تحتاج معه الیها** علی بن یقطین کو شک ہوا کہ آپ نے کس لیے واپس کر دیا اور کوئی وجہ خاص اس کی اس وقت معلوم نہ ہو سکی خط آنے کے بعد علی بن یقطین نے اس زراعہ کو بڑی حفاظت سے مہر لگا کر ایک تجوری میں اس کو بند کر دیا کچھ مدت کے بعد ابن یقطین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو کر اس کو خدمت سے معزول کر دیا۔ غلام نے اپنی شکایت خلیفہ ہارون رشید سے کی اور کہا: یہ شخص قائل امامت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ ہے اور ہر سال اپنے مال کی زکوٰۃ اور کثیر تحفہ و تحائف بھی ان کی خدمت میں روانہ کرتا ہے چنانچہ اس سال وہ زراعہ سوداجو حضور نے اس کو فلاں وقت اکراماً دیا تھا وہ بھی انہیں کے پاس بھیج دیا ہے''۔ ہارون رشید نے اسی وقت یقطین کو اپنے سامنے طلب کیا اور پوچھا کہ وہ زراعہ سوداء کہاں ہے جو میں نے تم کو دیا تھا، اور خاص درباریوں میں سے تم کو ہی مخصوص کیا تھا اس نے کہا کہ میرے پاس تجوری میں بند ہے، حکم دیا کہ اس کو یہاں حاضر کرو، کہا بہتر ہے۔ اپنے خادم کو بلا کر کہا کہ جلد جاؤ اور فلاں گھر کی کنجی محل سرا سے لے کر فلاں صندوق کھول کر وہ تجوری لے آؤ۔ خادم وہاں سے محل سرا گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد ہارون رشید کے پاس اس کو حاضر کر دیا۔ جب اس کو کھولا گیا تو زراعہ تہ کیا ہوا اپنی بالکل اصلی حالت پر تھا کہ اس کے رنگ و صفائی میں بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ہارون رشید نے اطمینان ہو جانے کے بعد اس کو واپس کر دیا اور کہا کہ اب میں کسی بھی شخص کی مخالفت کو ترے حق میں سچ تسلیم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد شکایت کرنے والے غلام کو بلایا اور بہت زیادہ لعنت و ملامت اس کو کیا اور حکم دیا کہ ایک ہزار کوڑے اس کو مارے جائیں۔ مگر وہ پانچ سو کوڑے تک پہنچتے ہی انتقال کر گیا۔

ملفوظات

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے ملفوظات ووصایا کتب سیر میں بکھرے پڑے ہیں یہاں پر چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں آپ اکثر اس دعا کو پڑھا کرتے:

اللھم انی اسئلک الراحۃ عند الموت والعفو عند الحساب

"یعنی اے اللہ میں تجھ سے راحت طلب کرتا ہوں موت کے وقت اور بخشش چاہتا ہوں حساب کے وقت"۔

آپ نے فرمایا کہ میں مہدی کی قید میں پڑا تھا کہ ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اے موسیٰ تو مظلوم ہو کر قید میں پڑا ہے ان کلمات کو پڑھ پھر اسی رات یہاں سے رہائی پائے گا میں نے یہ پڑھا اور بمشکل رہائی نصیب ہوئی وہ دعا یہ ہے کہ **یا سامع کل صوت و یا سایق الفوت و کاسی العظام لحما ومنشزھا بعد الموت لسئلک باسمائک الحسنیٰ وباسمک الاعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لا ینقطع ابدا ولا یحصی عددا**

آپ فرماتے ہیں کہ مومن نہ خائن ہوتا ہے اور نہ کذاب۔

اولاد کرام

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر الاولاد بنایا تھا چنانچہ ابن الاخضر کا بیان ہے کہ آپ کے بیس صاحبزادے اور اٹھارہ صاحبزادیاں تھیں جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

اولاد ذکور

حضرت علی رضا، زید، عقیل، ہارون، حسن، حسین، عبداللہ، عبدالرحمن، اسمٰعیل، اسحاق، یحییٰ، احمد، ابوبکر، محمد، اکبر، جعفر اکبر، جعفر اصغر، حمزہ، عباس، قاسم رضوان اللہ علیہم اجمعین

اولاد اناث

حضرت بی بی خدیجہ، اسماء الکبرای، اسماء الصغریٰ، فاطمۃ الکبریٰ، فاطمۃ الصغریٰ، زینب کبریٰ، زینب صغریٰ، ام کلثوم کبریٰ، ام فردہ، ام عبداللہ، ام القاسم، آمنہ، حکیمہ، محمودہ، امامہ، میمونہ رضی اللہ عنہم، صاحب تشریف لابشر نے کل تعداد اولاد 27 لکھی ہے اور جامع المناقب میں صرف ستائیس اولاد کا تذکرہ ہے۔

خلفاء کرام

آپ کے خلفاء کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی تاہم چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں جنہوں نے آپ کے مشن کو زندہ فرمایا اور دین متین کی لازوال خدمات انجام دیں:

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت شیخ مطلبی رضی اللہ عنہ

واقعات وصال شریف

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے وصال کا جب وقت آیا تو آپ نے سندی سے کہا کہ میرے مدنی غلام کو جو دار عباس بن محمد کے پاس ہے بلا لاؤ کیونکہ اس کو غسل وکفن کی ضروری باتیں بتانی ہیں اور اسی کو اس کا متولی بھی بنانا ہے۔ سندی نے کہا کہ میں خود ہی یہ کام بہت اچھی طرح کرلوں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہم اہل بیت سے ہیں ہماری عورتوں کے مہر اور ہمارے مبرور حج اور ہمارے مولیٰ کے کفن اور ہمارا اجہاد خالص ہمارے اموال سے ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا مولا اس کا متولی ہو۔ اس کے بعد سندی نے اس بات کو قبول کرلیا اور اس کو حاضر کردیا آپ نے اپنے مدنی غلام سے تمام چیزوں کی وصیت کی اور جب وفات ہوئی تو غلام نے تمام کام آپ کی وصیت کے مطابق انجام دیا۔

رافضیوں کا خیال

آپ کے متعلق رافضیوں کا یہ خیال تھا کہ قائم منتظر یہی ہیں اور آپ کی قید کو غیبت کے قائم مقام ٹھہرایا تھا۔ اس لیے ہارون رشید نے حکم دیا کہ اے یحییٰ بن خالد ان کی لاش کو بغداد کے پل پر رکھ دو اور ندا کردو کہ یہ وہی موسیٰ کاظم ہیں جن کے بارے میں رافضی لوگ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ وہ نہیں مریں گے۔ اب تم لوگ اس کو دیکھ لو، لوگوں نے زیارت کی پھر آپ کے جنازہ کو اٹھایا گیا۔

تغیر بدن کی پیش گوئی

آپ کو کھجور میں ملا کر زہر دیا گیا تھا اور کھجور کھانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: نصف سرخ اور نصف سیاہ ہو جائے گا اور میری وفات اس کے بعد ہوگی پس ایسا ہی ہوا اور فرمایا تھا کہ اس کے بعد جانا ہوگا تو واپسی نصیب نہ ہوگی وہ بھی ویسا ہی وقوع میں آیا۔

وصال شریف

آپ نے بتاریخ 5 یا 25 رجب المرجب 183ھ بروز جمعہ بعمر 55 برس بعہد خلافت ہارون رشید خلیفہ عباسی وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مدت امامت

آپ 25 سال تک مسند امامت وخلافت پر فائز رہے۔

مزار اقدس

آپ کا مزار اقدس شہر بغداد میں بمقام کاظمین شریف میں واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔ چنانچہ آپ کے مزار اقدس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر انور دعا قبول ہونے کے لیے اکسیر اور مجرب ہے۔

اسی طرح کے قول ابو علی فلال جو مشہور محدث گزرے ہیں فرماتے ہیں:

"ما اھمنی نا ھمنی امر فقصدت قبر موسیٰ بن جعفر فتوسلت بہ الا سھل اللہ تعالیٰ الی ما احب"۔

"یعنی جب بھی مجھ کو کوئی مشکل پیش آئی اور میں حضرت موسیٰ بن جعفر کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے توسل سے دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ میری مراد بر لاتا"۔

تاریخ ولادت ووصال

جلال دین بود موسیٰ کاظم 128ھ

نسیم پاک باشد سال رحلت 183ھ

شیخ عبدلقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

بندہ کسی صورت میں بھی اللہ کی قسم نہ کھائے سچی، نہ جھوٹی، عمداً نہ سہواً اس لیے کہ ترک حلف سے انوار الٰہیہ کا نزول بند ہو جاتا ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: عقیل صدیق کھوکھر، لاہور

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب

حضرت فریدالدین عطار

تعارف

آپ کا اسم گرامی نعمان، والد کا نام ثابت اور آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے اور آپ علم شریعت کے مہر و ماہ بن کر آسمانِ طریقت پر روشن ہوئے اور آپ نہ صرف رموز حقیقت سے آگاہ تھے بلکہ دقیق سے دقیق مسائل وعلوم کے معانی ومطالب واضح کر دینے میں مکمل درک رکھتے تھے اور آپ کی عظمت وجلالت کی یہ دلیل ہے کہ غیر مسلم بھی آپ کی تعریف و احترام کرتے تھے اور آپ کی عبادت وریاضت کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے۔ آپ کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ سے شرف نیاز حاصل رہا اور حضرت فضیل، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت بشر حافی وغیرہم ہستیاں آپ کے تلامذہ میں شامل رہیں۔

سبق آموز جواب

آپ کی کنیت کا عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ عورتوں نے سوال کیا کہ جب مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے تو پھر عورت کو کم از کم دو شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں؟ آپ نے کہا کہ اس کا جواب کسی اور وقت دوں گا اور اس الجھن میں گھر کے اندر تشریف لے گئے اور جب آپ کی صاحبزادی حنیفہ نے الجھن کی وجہ دریافت کی تو آپ نے عورتوں کا سوال پیش کر کے فرمایا کہ اس کا جواب دینے سے میں قاصر ہوں اور میری الجھن کا یہی سبب ہے۔ یہ سن کر صاحبزادی نے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے نام کے ہمراہ میرے نام کو بھی شہرت دینے کا وعدہ کریں تو میں ان عورتوں کا جواب دے سکتی ہوں اور جب آپ نے وعدہ کر لیا تو صاحبزادی نے عرض کیا کہ ان عورتوں کو میرے پاس بھجوا دیجیے، چنانچہ جب وہ عورتیں آ گئیں تو صاحبزادی نے ایک پیالی ہر عورت کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اپنی اپنی پیالی میں تم سب تھوڑا تھوڑا سا اپنا دودھ ڈال دو۔ اس کے بعد ایک بڑا پیالہ ان کو دے کر کہا کہ اب سب پیالوں کا دودھ اس میں ڈال دو اور جب عورتوں نے یہ عمل کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تم سب اس میں سے اپنا اپنا دودھ نکال لو لیکن عورتوں نے عرض کیا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ صاحبزادی نے عرض کیا کہ جب دو شوہروں کی شرکت میں تمہاری اولاد ہو گی تو تم یہ کیوں کر بتا سکو گی کہ یہ اولاد کس شوہر کی ہے اس جواب سے وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور امام صاحب نے اسی دن سے ابوحنیفہ کی کنیت اختیار کر لی اور اللہ تعالیٰ نے بھی نام سے زیادہ کنیت کو شہرت عطا کی۔

جس وقت مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس پر یہ کہہ کر سلام پیش کیا کہ السلام علیکم یا سید المرسلین تو جواب ملا وعلیکم السلام یا امام المسلمین، بتایئے یہ شرف آپ جیسے خوش بختوں کے سوا کس کو نصیب ہو سکتا ہے۔

سچا خواب

جب آپ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہڈیوں کو مزار مقدس سے نکال کر علیحدہ علیحدہ کر رہا ہوں اور جب دہشت زدہ ہو کر آپ خواب سے بیدار ہوئے تو امام ابن سیرین سے تعبیر خواب دریافت کی، انہوں نے کہا کہ بہت مبارک خواب ہے اور آپ کو سنتِ نبوی کے پرکھنے میں وہ مرتبہ عطا کیا جائے گا کہ احادیث صحیحہ کو موضوع حدیث سے جدا کرنے کی شناخت ہو جائے گی۔ اس کے بعد جب دوبارہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ نے تیری تخلیق میری سنت کے اظہار کے لیے فرمائی ہے لہٰذا دنیا سے کنارہ کش مت ہو۔

تقویٰ

آپ بہت ہی محتاط قسم کے لوگوں میں سے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت نے تمام علماء سے ایک عہد نامہ تحریر کرا کر قاضی وقت امام شعبی کے پاس دستخط کے لیے بھجوایا اس لیے کہ آپ ضعیفی کی وجہ سے اجتماعِ علماء میں شریک نہیں تھے، چنانچہ آپ نے اپنی مہر ثبت کر کے دستخط فرما دیے لیکن جب یہ عہد نامہ حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ امیر المومنین بذات خود یہاں موجود نہیں ہیں لہٰذا یا تو وہ اپنی زبان سے حکم دیں یا میں خود وہاں چلوں جب ہی دستخط کر سکتا ہوں، جب خلیفہ کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اس نے امام شعبی سے دریافت کروایا کہ کیا گواہی کے لیے دیدار بھی شرط ہے انہوں نے فرمایا کہ یقیناً دیدار شرط ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ پھر آپ نے بغیر مجھے دیکھے ہوئے دستخط کیسے کر دیے انہوں نے کہا کہ چونکہ مجھے یقین کامل تھا کہ آپ ہی کا حکم ہے اس لیے دستخط کر دیے، خلیفہ نے کہا کہ قضا کے عہدے پر فائز ہو کر آپ نے خلاف شرع کام کیا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس عہدے پر کسی اور کا تقرر کر دوں چنانچہ خلیفہ کے مشیروں نے امام ابو حنیفہ، حضرت سفیان، حضرت شریح اور حضرت مشعر کے نام قاضی کے عہدے کے لیے پیش کیے اور جب طلبی پر چاروں حضرات دربار کی طرف چلے تو حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں کسی بہانے سے یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا اور سفیان تم فرار ہو جاؤ اور مشعر تم پاگل بن جاؤ اس طرح شریح کو اس عہدے کے لیے منتخب کر لیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ تو راستہ ہی میں سے فرار ہو گئے اور جب یہ تینوں داخل دربار ہوئے تو خلیفہ نے امام ابوحنیفہ کو عہدہ قبول کرنے کا حکم

دیا لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں عربی النسل نہیں ہوں اس لیے سرداران عرب میرے فتاویٰ کو غیر مستند تصور کریں گے لیکن اس وقت جعفر بھی دربار میں موجود تھے انہوں نے کہا کہ قاضی کے لیے نسب کی ضرورت نہیں بلکہ علم کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن میں اپنے اندر اس عہدے کی صلاحیت نہیں پاتا۔ خلیفہ نے کہا کہ آپ جھوٹے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر ایک جھوٹے کو یہ عہدہ تفویض نہیں کیا جا سکتا اور اگر میرا قول سچا ہے تو جس میں قاضی ہونے کی صلاحیت نہ ہو وہ خلیفہ کا نائب و قاضی کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے حضرت مشعر کو عہدہ قبول کرنے کو کہا لیکن وہ پاگل بن گئے تھے دوڑ کر خلیفہ کا ہاتھ پکڑا اور بیوی بچوں کی خیریت معلوم کرنے لگے چنانچہ خلیفہ نے دیوانہ سمجھ کر ان کو بھی چھوڑ دیا لیکن جب حضرت شریح سے اصرار کیا تو انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا لیکن امام ابوحنیفہ نے تمام عمر ان سے ملاقات نہیں کی۔

بصیرت

کچھ بچے گیند کھیل رہے تھے اور گیند اتفاق سے امام ابوحنیفہ کی مجلس میں آپ ہی کے سامنے آ گری اور بچوں میں سے خوف کے مارے کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے سے گیند اٹھا لے لیکن ایک لڑکے نے بھاگ کر آپ کے سامنے سے جب گیند اٹھائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا حرامی ہے کیونکہ اس میں حیا کا مادہ نہیں ہے اور جب معلومات کی گئیں تو پتہ چلا کہ واقعی وہ لڑکا حرامی ہے۔

ایک شخص آپ کا قرض دار تھا اور اسی کے علاقہ میں ایک موت واقع ہو گئی اور جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ کے لیے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور موسم بھی بہت گرم تھا لیکن آپ کے مقروض کی دیوار کے پاس کچھ سایہ تھا چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ صاحب خانہ میرا مقروض ہے اس لیے اس کے مکان کے سایہ سے استفادہ کرنا میرے لیے جائز نہیں، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو وہ سود ہے۔

کسی مجوسی نے آپ کو گرفتار کر لیا اور انہیں میں سے کسی جابر و ظالم مجوسی نے آپ سے کہا کہ میرا قلم بنا دیجیے آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز نہیں بنا سکتا اور جب اس نے قلم نہ بنانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محشر میں فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ظالموں کو ان کے معاونین کے ہمراہ اٹھاؤ لہٰذا میں ایک ظالم کا معاون نہیں بن سکتا۔

عبادت

آپ تین سو نفل ہر شب میں پڑھا کرتے تھے ایک دن راستہ میں کسی عورت نے دوسری عورت کو اشارہ سے بتایا کہ یہ شخص رات میں پانچ سو نفل پڑھتا ہے اور آپ نے ان کی گفتگو سن لی پھر اُسی رات سے پانچ سو نفل پڑھنا شروع کر دیے۔ پھر ایک دن راستہ میں کسی نے کہہ دیا کہ یہ ایک ہزار نفلیں رات میں پڑھتے ہیں چنانچہ اسی رات سے آپ نے ایک ہزار نفلوں کو معمول بنا لیا۔ پھر آپ کے کسی شاگرد نے عرض کیا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ رات بھر بیدار رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے یقیناً پوری رات بیدار رہا کروں گا اور جب شاگرد نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''بعض بندے اپنی اس تعریف کو پسند کرتے ہیں جو ان میں نہیں ہے اور میں ایسے گروہ میں شامل ہونا نہیں چاہتا اور اس دن سے آپ نے مکمل بیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور طویل سجدوں کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں میں اونٹ کے گھٹنوں جیسے گٹے پڑ گئے تھے۔

حضرت داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک کبھی آپ کو تنہائی یا مجمع میں ننگے سر اور ٹانگیں پھیلائے نہیں دیکھا اور جب میں نے عرض کیا کہ تنہائی میں کبھی تو ٹانگیں سیدھی کر لیا کیجیے تو فرمایا کہ مجمع میں تو بندوں کا احترام کروں اور تنہائی میں خدا کا احترام ختم کر دوں یہ میرے لیے ممکن نہیں۔

اشارات

ایک مرتبہ آپ حمام خانہ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک برہنہ شخص آ گیا اور کچھ لوگوں نے تو اس کو فاسق اور کچھ نے ملحد تصور کیا اس کو دیکھتے ہی امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں اور جب اس شخص نے پوچھا کہ آپ کی آنکھوں کی روشنی کب سے سلب کر لی گئی، فرمایا کہ جب سے تیرا پردہ سلب کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب کوئی قدریہ مسلک والے سے مباحثہ کرتا ہے تو دو باتیں ہوتی ہیں یا تو کافر ہو جاتا ہے یا مذہب سے منحرف، پھر فرمایا کہ میں بخیل کی شہادت اس لیے قبول نہیں کرتا کہ اس کا بخل ہمیشہ اپنے حق سے زیادہ کا طالب رہتا ہے۔

کچھ لوگ تعمیر مسجد کے سلسلہ میں برکت کے خیال سے امام صاحب سے بھی چندہ لینے پہنچ گئے لیکن یہ بات آپ کو ناگوار سی محسوس ہوئی اور شدید اصرار پر آپ نے بادلِ ناخواستہ ایک درہم دے دیا اور جب آپ کے شاگرد نے سوال کیا کہ آپ تو بہت زیادہ سخاوت سے کام لیتے ہیں، پھر یہ ایک درہم آپ کے لیے کیوں بار ہو گیا۔ فرمایا کہ کسب حلال مٹی اور پانی میں نہیں ملتی، اس لیے ایک درم کی وجہ سے مجھے اپنے مال میں شک ہو گیا لیکن کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے درم واپس کرتے ہوئے کہا یہ کھوٹا ہے آپ درہم لے کر بہت مسرور ہوئے۔

فتویٰ و تقویٰ

ایک مرتبہ بازار جا رہے تھے کہ گرد و غبار کے کچھ ذرات آپ کے کپڑوں پر آ گئے تو آپ نے دریا پر جا کر کپڑے کو خوب اچھی طرح دھو کر پاک کیا اور جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک تو اتنی نجاست جائز ہے پھر آپ نے کپڑا کیوں پاک کیا۔ فرمایا کہ وہ فتویٰ ہے اور یہ تقویٰ۔

منقول ہے کہ جب حضرت داؤد طائی کو لوگوں نے اپنا رہنما تسلیم کر لیا تو امام صاحب نے پوچھا کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیے انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے علم پر عمل پیرا رہو کیوں کہ علم بلا عمل ایسا ہے جیسے جسم بغیر روح کے۔

علم تعبیر

خلیفہ وقت نے ملک الموت کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اب میری زندگی کتنی رہ گئی ہے تو حضرت عزرائیل نے پانچوں انگلیاں اٹھا دیں اور جب تمام لوگ اس کی تعبیر بتانے سے قاصر رہے تو خلیفہ نے امام صاحب سے تعبیر پوچھی آپ نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں سے ان پانچ چیزوں کی جانب اشارہ ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، اول قیامت کب آئے گی، دوم بارش کب ہو گی سوم حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے، چہارم کل انسان کیا کرے گا، پنجم موت کب آئے گی۔

بقیہ صفحہ 38 پر

مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ماسٹر احسان الٰہی

حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ نعیمی فقاہت وثقاہت اور سادگی وشائستگی کا نشان اور پیکر تھے۔ انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ ان کی استقامت وعزیمت بے مثال تھی۔ وہ 16 رجب 1332 ہجری بمطابق 10 جون 1914ء میں پیدا ہوئے اور یکم رجب 1403ھ بمطابق 15 اپریل 1983ء کو واصل بحق ہوئے لیکن زندگی کے تمام ماہ و سال اور حیاتِ مستعار کے سارے لمحے تبلیغ دین، رشد و ہدایت اور درس وتدریس میں گزارے۔

حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی فقیہہ اعظم کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ حضرت فقیہہ اعظم کے والد ماجد مولانا محمد صدیق ایک متجر عالمِ دین تھے۔ انہوں نے اپنے ہونہار صاحبزادے کو دینی علوم سے بھی بہرہ ور کیا اور باطنی تربیت بھی کی۔

بیعت اور خلافت اور درس وتدریس

مولانا محمد نور اللہ نعیمی کے اساتذہ کرام میں مولانا فتح محمد بہاولنگری، مولانا سید دیدار علی شاہ الوری اور مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ آپ نے سلسلہ قادریہ میں صدر الفاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی سے بیعت کی اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

مولانا نعیم الدین مرادآبادی تحریک پاکستان کے نامور اور مرکزی راہنما تھے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے قیام پاکستان تک ہندوستان بھر کے مختلف مقامات پر سنی کانفرنسوں کا انعقاد مولانا نعیم الدین ہی کی سعی وکوشش کا نتیجہ تھا۔ آپ جمیعت علمائے پاکستان کے اساسی اراکین میں سے تھے۔ 1977ء کی تحریکِ نظام مصطفیٰ میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت فقیہہ اعظم دم واپسیں تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ آپ کی تدریسی زندگی نصف صدی پر محیط تھی۔ حتیٰ کہ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظامِ مصطفیٰ کے دوران ساہیوال جیل میں درس حدیث اور مختلف محافل قائم کر کے قیدیوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا۔ تین مرتبہ مسجد نبوی شریف میں گنبدِ خضراء کے سامنے قرآن کریم اور بخاری شریف کا دورہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے شاگردوں اور تلمذین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جو اندرون اور بیرون ملک تحریری، تقریری، علمی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

خصوصیات

آپ کی زندگی کی خصوصیات میں اہم بات یہ ہے کہ آپ سادہ منش، کم گو، دل کے کھرے اور سچے اور شہرت وذاتی نمائش ونمود سے بے نیاز تھے۔ آپ نے ظاہری زندگی کے رکھ رکھاؤ سے ہٹ کر فطری اور صاف ستھرے ماحول میں رہ کر دینِ متین کی بے لوث خدمت کرتے ہوئے زندگی بسر کر ڈالی۔ درسو تدریس، فتویٰ نویسی، خطابت و امامت اور بہت بڑے ادارہ کے جملہ انتظامی امور کی نگہداشت کے عوض تنخواہ یا اجرت کے روادار نہ ہوئے بلکہ جملہ دینی خدمات محض رضائے الٰہی کی خاطر مفت سرانجام دیتے ہوئے مولانا نور اللہ نعیمی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا ابو النور چشتی سے حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے متحدہ ہندوستان میں دور دراز مقامات کے سفر کیے اور علوم نقلیہ کی تحصیل کی۔ دورۂ حدیث کے لیے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری اور ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سید ابو البرکات سید احمد قادری سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان یگانہ روزگار اساتذہ نے آپ کو سندات فضیلت کے ساتھ ''ابو الخیر اور فقیہہ اعظم'' کے القابات بھی عطا فرمائے۔ طالب علمی کے دوران آپ نے جن علوم وفنون میں مہارت حاصل کی ان کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا نے فرید پور (تحصیل دیپالپور) میں دار العلوم حنفیہ فریدیہ قائم کیا لیکن وہاں کا جاگیر دارانہ ماحول اور زمیندارانہ ذہن ان کی راہ میں حائل ہوا چنانچہ وہ بصیر پور منتقل ہو گئے۔ جہاں ان کی شبانہ روز محنت، استقلال اور اولوالعزمی کی بدولت دار العلوم حنفیہ فریدیہ کو برصغیر میں بہت بلند اور منفرد مقام حاصل ہوا۔

فتاویٰ نوریہ

حضرت بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر درس و تدریس اور تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول رہے۔ ان کی ''فتاویٰ نوریہ'' چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں اور پورے برصغیر پاک وہند میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ جن کے مطالعہ سے ان کے تبحر علمی، وسعتِ نظر، قوتِ استدلال، صلابت رائے اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ فتاویٰ نویسی کا یہ ادق اور تحقیقی کام آپ نے ہمیشہ فی سبیل اللہ بصیرت کی بدولت حل فرمایا۔ مولانا کے ان فتاویٰ میں انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، ہومیو پیتھک ادویات اور روزہ کی حالت میں انجکشن جیسے جدید ترین مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے اظہارِ خیال کی روشنی موجود ہے۔ اسی لیے علماء عصر نے انہیں فقیہہ اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ حضرت فقیہہ اعظم کی ذات مرجع خلائق تھی۔ ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاء میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ حالاتِ حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور، ادراک اور مسائلِ عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ صلاحیت سے معمور تھے۔ دیگر بالا مسائل کے حل کے علاوہ آپ نے نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال، بچیوں کو لکھنے کی تعلیم دینے، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے رؤیت ہلال کا اعلان، گھڑی کے لیے لوہے

وغیرہ کی دھاتوں کی چین کا استعمال، بلغاریہ، ڈنمارک وغیرہ جہاں سال میں کچھ دن ایسے آتے ہیں جن میں غروب آفتاب کے فوراً بعد صبح صادق طلوع ہوجاتی ہے اور قطب شمالی اور قطبِ جنوبی کے وہ علاقے جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ ایسے علاقوں میں نماز اور روزے کے اوقات کا تعین، حج و دیگر ضروریات کے لیے تصویر کا جواز وغیرہ وغیرہ ایسے عہدِ حاضر کے نئے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے اور عصرِ حاضر کے چیلنجز کو قبول کرتے ہوئے تحقیق وتدقیق کا خوب حق ادا کیا ہے۔ آپ کے ہم عصر اکابر علمائے کرام آپ کی اجتہادی بصیرت اور تبحرِ علمی کے قائل تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ چنانچہ جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری جج وفاقی شرعی عدالت آپ کی اجتہادی بصیرت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں: ''حضرت کا علم وحلم، ورع وتقویٰ، فقاہت، اجتہاد مسلمہ امور ہیں لیکن جس امر نے مجھے فکری اعتبار سے ہمیشہ ان کے قریب رکھا ہے وہ حالاتِ حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت کا ان میں موجود ہونا ہے۔ ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الزہری فرماتے ہیں: ''حضرت فقیہہ اعظم مولانا محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ کی ذات والا صفات جامع کمالات تھی۔ ایک فقیہہ اور مفتی کے لیے ایمانی فراست، علمی وسعت، تزکیۂ نفس، تقویٰ وورع، دیانت و راست بازی وغیرہ جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں''۔ انہی اوصاف وکمالات کے پیش نظر استاذ الاساتذہ علامہ عطا محمد بندیالوی نے آپ کو ''مجدد وقت'' قرار دیا۔ شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی نے آپ کو مجتہد اور اصحاب ترجیح سے شمار کیا۔ آپ کو شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی نے آپ کو ''آیت من آیات اللہ، مولانا محمد نور اللہ'' کہا۔ جبکہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ فرمایا کرتے ''فقیہہ اعظم مولانا محمد نور اللہ صاحب دور حاضر کے امام ابوحنیفہ ہیں''۔

مولانا بصیر پوری خداداد ذہانت کے مالک تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ ایک دفعہ سہارنپور (بھارت) کے معروف مدرسہ مظاہر العلوم گئے۔ وہاں علامہ محمد اسداللہ صاحب ''شمس بازغہ'' پڑھاتے تھے۔ آپ بھی ان کے درس میں شریک ہوئے۔ دورانِ درس مولانا بصیر پوری نے علامہ محمد اسداللہ سے کوئی سوال کیا علامہ نے جواب دیا لیکن اس جواب سے پھر کوئی سوال نکل آیا۔ اس طرح سوال وجواب کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ آخر علامہ اسداللہ نے شمس بازغہ کو بند کرتے ہوئے فرمایا کہ ماشاء اللہ اس کم عمر ہی میں آپ غیر معمولی قوتِ حافظہ اور خداداد قابلیت کے مالک ہیں۔

عشقِ رسول ﷺ مولانا نور اللہ نعیمی کی زندگی کا امتیازی وصف تھا۔ رحمتِ عالم، نبی مکرم، فخرِ آدم ﷺ کا ذکرِ جمیل اور مدینۃ النبی میں حاضری کا حال سنتے ہی مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔ آنکھوں میں ساون بھادوں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ ایک دفعہ مدینہ شریف سے ان کے ایک مرید حاجی محمد اسحاق نوری نے مولانا صاحب کو ایک خط تحریر کیا۔ شہرِ محبت سے آیا ہوا یہ خط پڑھتے ہی بے قرار ہوگئے فوراً حاجی صاحب کو جواب لکھا۔ کاش! ان پاک اور پیاری گلیوں میں اس وقت یہ فقیر بھی آپ کے ساتھ ہوتا مگر کیا کروں کہ نامرادی کے یہ دن قسمت میں تھے اگرچہ زبان پر تذکرہ تو ہر آن وہیں کا رہتا ہے لیکن ہوں تو دور ومہجور، حاجی صاحب! اس گدائے بے نوا کے لیے جلد حاضری کی اجازت لے کر آئیں۔ مدینہ النبی ﷺ کی حاضری کے لیے آپ اکثر بے قرار رہتے اور حضرت خواجہ غلام فرید کا یہ شعر اکثر ورد زبان رہتا۔

کوئی یار سنیہڑا اگھل وے، دن بہتے گزرے
میرا جاوے نہ جوبن ڈھل وے، دن بہتے گزرے

1962ء کو انہوں نے دوسرے حج کے لیے درخواست دی لیکن قرعہ اندازی میں نام نہ نکلا۔ آخر ذوالحجہ کا چاند نظر آ گیا۔ ادھر مولانا صاحب کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ میں احمد مختار سرکار والا تبار ﷺ کی رحمت سے ناامید نہیں وہ ضرور کرم فرمائیں گے۔ اگلے روز قیلولہ کے وقت خواب میں فقیہہ مدینہ صحابی رسول حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اٹھیے تیاری کیجیے۔ میں سرکارِ مدینہ ﷺ کے حکم سے آپ کو لینے آیا ہوں۔ بیدار ہوئے تو تار مینجر کو منتظر پایا۔ یہ دفتر حج کا بھیجا ہوا ٹیلی گرام لایا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ 3 ذوالحجہ کو سفر حج کی روانگی کے لیے کراچی پہنچ جایئے۔

آیا ہے بلاوا مجھے دربار نبی سے
امید تھی اس لطف کی سرکارِ امم سے
(عابد نظامی)

قومی خدمات

مولانا بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ عملی سیاست سے دور رہے لیکن قومی امور میں جب بھی ضرورت ہوتی میدان عمل میں نکل آتے اور بھرپور جدوجہد فرماتے۔ تحریک پاکستان کے دوران اپنے مرشد حضرت صدر الافاضل اور دیگر اکابر علماء ومشائخ کے ساتھ شبانہ روز مشغول رہے۔ 1946ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان انتخابی معرکہ برپا ہوا تو انہوں نے اپنا بھرپور اثر ورسوخ استعمال کیا۔ ان کی جدوجہد کی بدولت مسلم لیگی امیدوار کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد غازی کشمیر حضرت سید ابوالحسنات قادری کے ساتھ کشمیر کے جہاد میں پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک رہے۔ 1953ء میں تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبت برداشت کی۔ 1977ء میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں بھی مثالی اور نمایاں کردار ادا کیا اور 23 مارچ کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ قید کے دوران سنٹرل جیل ساہیوال میں عام قیدیوں کو درسِ قرآن اور دینی مدارس کے طلباء وعلماء کو باقاعدگی سے بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ مولانا اپنے مریدوں اور شاگردوں کو ہمیشہ شریعت حصہ پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے اور سختی کے ساتھ تاکید فرماتے کہ اس کے بغیر راہ سلوک میں مدارج عالیہ کا حصول ممکن نہیں۔ مولانا شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مریدوں کو علمی استعداد بڑھانے پر ہمیشہ زور دیتے اور فرماتے کہ بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

فقیہہ اعظم پاکستان نے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کی داغ بیل 1938ء میں ڈالی۔ 1945ء میں اسے بصیر پور ضلع اوکاڑہ میں لے آئے جو اب تناور درخت بن کر ایک ہزار سے زائد مقامی وبیرونی طلبہ کو دن رات تعلیمات اسلامی سے فیض یاب کیے ہوئے ہے۔ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ اسی سے زائد پختہ کمروں۔ متعدد برآمدوں، درس گاہوں، عظیم الشان جامع مسجد، دارالحدیث، دار الفرقان اور دیگر کئی گوشوں پر مشتمل ہے۔ مدرسہ میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے، فاضل عربی، اے ٹی سی اور کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم کا اہتمام بھی

موجود ہے نیز طالبات کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے شعبۂ بنات بھی سرگرم عمل ہے۔ جہاں ان کے جلیل القدر صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری بھی اپنے عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دنیوی، دینی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ الغرض فقیہہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی کو پیارے آقا ومولا کی ذاتِ گرامی اور مدینہ طیبہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ آپ فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھے۔ آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ کی پیروی میں بسر ہوئی۔ بیس سے زیادہ بار حج و زیارت روضۂ رسول ﷺ کی سعادت سے منور ومعطر و معنبر ہوئے۔ آپ کی زندگی متانت ووقار کا مجسمہ تھی۔ عالی ظرفی، بردباری، ملنساری اور تواضع کا پیکر تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سادگی اور انکساری سے مملو تھا۔

وصال وتدفین

حضرت فقیہہ اعظم نے یکم رجب المرجب 1403ھ بمطابق 15 اپریل 1983ء کو نمازِ ظہر سے قبل وصال فرمایا۔ تدفین سے قبل جب عام دیدار کے لیے ان کے چہرہ سے کفن ہٹایا گیا تو زمانے نے دیکھا کہ مولانا آخری سفر کے وقت اسی طرح مسکرا رہے ہیں، جس طرح زندگی میں ہر ایک سے مسکرا کر ملا کرتے تھے۔

نشاں مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست
(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

غزالیِ دوراں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زیادہ عوام وخواص نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ تدفین سے قبل حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! حضرت فقیہہ اعظم کے وصال سے آج پورا ملک سوگوار اور یتیم ہو گیا۔ ہم سب یتیم ہو گئے۔ ایک قبر میں ایک عام انسان نہیں، علم وتقویٰ اور زہد وورع دفن ہو رہے ہیں۔

حضرت فقیہہ اعظم نے فتاویٰ نوریہ (چھ جلد) کے علاوہ بے شمار علمی وتحقیقی کتب یادگار چھوڑیں جو طالبان راہِ ہدایت کو ہمیشہ روشنی دکھاتی رہیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی تربت پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

یکم اور دو رجب کو ہر سال صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری کی زیرِ صدارت سالانہ اجتماع بصیر پور ضلع اوکاڑہ میں انعقاد پذیر ہوتا ہے۔

تاجدار ھل اتیٰ کعبے میں اترے خوب ہیں

بیت جائیں ذکرِ حیدر میں جو لمحے ، خوب ہیں
بوئے حبِ مرتضیٰ سے دل مہکتے خوب ہیں

روحِ ہر رندِ علی فرحاں شود شاداں شود
تاجدارِ ہل اتیٰ کعبے میں اترے خوب ہیں

اسمِ مولا مرتضیٰ کی گونج جس جس جا مچے
وہ محلے ، گھر ، مساجد اور قریے خوب ہیں

کیا ہے فیضِ عشقِ حیدر دیکھیے بہلول کو
قصرِ جنت بن گئے خا کی گھروندے خوب ہیں

ان کے دشمن کُل منافق " مَن علیھا فان " ہیں
ان کے نوکر میثم و قنبر کے چرچے خوب ہیں

من سراپائے تشکّر یافتم حبِ علی
اس سعادت پر ادا ہوں جتنے سجدے خوب ہیں

دور کر دیں ان کے در سے سب ''لکیریں'' بے اثر
جوڑ دیں ان سے جو مفتی اور فتوے ، خوب ہیں

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

سُلا گئی تھیں جنہیں تیری ملتفت نظریں
وہ درد جاگ اُٹھے پھر سے لے کر انگڑائی

سید ریاض حسین شاہ

موسم گرما شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی لاہور کی گرمی قیامت نہیں بنی تھی۔ لالہ جی حضور سے عرض کی اگر باران کرم سیراب فرمائے تو لاہور کے بخت دھل جائیں گے۔ خیال تھا اس بہانے حضرت کے علاج معالجے کی طرف توجہ دی جائے۔ آپ تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد تیار ہو گئے۔ شیخ سرفراز اور ممتاز قریشی ایئرپورٹ تک الوداع کہنے آئے۔ پی آئی اے کی انتظار گاہ میں مسافروں کا شور وغل ہنسی مذاق اور خوش گپیاں تنگ دلی کا باعث ہو رہی تھیں۔ خطرہ تھا کہ کہیں حضرت لالہ جی کے مزاج پر یہ چیزیں بوجھ نہ بن جائیں۔ جلدی میں آپ کو شالیمار لاؤنج تک پہنچایا گیا۔ چائے سے تواضع ہوئی اور حضرت لفٹ کے ذریعے طیارے میں تشریف لے گئے۔ ایک خدمت گار لڑکی نے ٹھنڈا تولیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے لینے سے انکار فرما دیا اور اس لڑکی سے کہا ''تم مسلمان ہو''؟۔۔۔۔ لڑکی بولی ''سر! اللہ کے فضل سے جدی پشتی مسلمان ہوں، گنہگار ضرور ہوں لیکن اسلام سے محرومی بدقسمتی تصور کرتی ہوں''۔

لالہ جی صاحب نے فرمایا: ''بیٹی! حیا اسلام کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بال کٹانے سے منع فرمایا ہے۔ برہنہ سر اور برہنہ بال رہنا شریعت مطہرہ میں درست نہیں''۔ لالہ جی نے اپنی بات مکمل نہیں فرمائی تھی کہ لڑکی بولی سر! میری مجبوری ہے پی آئی اے میں خدمت گاری کی رسوم ہمیں نبھانی پڑتی ہیں، میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں میں جلد ہی اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لوں گی۔ آپ کی مہربانی کہ آپ نے ہمدردانہ شفقت سے مجھے نصیحت فرمائی۔۔۔۔''

حضرت لالہ جی نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا: یہ لڑکی بار بار مجھے سر کیوں کہتی تھی سر کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ساتھی نے کہا حضرت انگریزی میں اس کا مطلب ہوتا ہے ''جناب''، آپ نے فرمایا: ''میں اس سے خوش ہوں کہ وہ ٹھنڈے مزاج کی لڑکی ہے، نصیحت پر وہ گرم نہیں ہوئی، غلطی کو غلطی کہنا اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کرنا بہت بڑی بہادری ہے''۔

گھر پہنچے تو میزبان کی چار سالہ بچی سیدہ عاتکہ ریاض کو دیکھا کہ اس کے سر پہ دوپٹہ نہیں تھا۔ آپ نے اسے بلا کر پیار کیا اور فرمایا: ''بیٹی تمہارا والد عالم دین ہے، تم سید گھرانے سے تعلق رکھتی ہو، تمہارے خون نے نیک قدروں کو ہمیشہ پروان چڑھایا ہے، تم ننگے سر اچھی نہیں لگتی، پھر آپ نے نہایت پیار سے اسے تاکید کی کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم کبھی بھی ننگے سر نہیں رہو گی''۔

ایک بار ایک عالم دین کو دیکھا کہ وہ اپنی سالی کے ساتھ ایک ہی پلنگ پر بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا اس طرح بیٹھنا درست نہیں۔

کوہستانی عالم نے کہا یہ میری محرم ہے۔ آپ نے فرمایا ''مولانا! نفس کسی کا محرم نہیں ہوتا۔۔۔۔''

ساری زندگی آپ نے بغیر پردہ اور حجاب کسی عورت کو بیعت نہیں فرمایا۔ محرم کی موجودگی کے بغیر ملاقات نہیں فرمائی۔ کسی بالغ مکلف عورت کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ ایک عورت کے بارے میں سنا کہ وہ محرم کے بغیر دوسرے آدمی کی معیت میں حج کے لے گئی ہے تو بلا کے غضبناک ہوئے اور ایک بھری محفل میں ارشاد فرمایا کہ ''شریعت کے حدود توڑ کر حج کرنے کا فائدہ کیا ہے یہ زیارت نہیں شرارت ہے۔ یہ عشق نہیں مشک (پنجابی میں بدبو) ہے۔ اللہ جل مجدہ کو ہماری طرف سے کسی سجدہ اور رکوع طواف اور سعی کی قطعاً کوئی حاجت نہیں، اس نے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے حبیب ﷺ کا فرمانبردار کون ہے؟ رسول اکرم ﷺ کے حکم کو قصداً نہ ماننا ان کی روح کو اذیت دینا ہے اور جو حبیب خدا ﷺ کو اذیت پہنچا دیتا ہے اس کے بارے میں خود فیصلہ کر لیا جائے کہ وہ کتنا مسلمان ہے اور کتنا مومن۔۔۔۔''

ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ہسپتال داخل کیا گیا۔ ساتھی دیکھنے کے لیے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ چادر تانے افسردہ لیٹے ہوئے تھے دیکھ کر لگتا یہ تھا کہ:

چاند مدھم ہے آسماں چپ ہے
نیند کی گود میں جہاں چپ ہے

افسردگی کی وجہ پوچھی تو فرمایا مجھے ایسا دارالشفاء نہیں چاہیے جہاں جوان عورتیں نامحرم بیماروں کے وجود پر مرہم پٹی کریں۔ مجھے یہاں سے لے جاؤ میرے لیے یہ قید خانہ ہے۔ میں اس ہسپتال سے باز آیا۔ میرے لیے اچھا طبیب میرا خدا ہی ہے۔ آنکھوں سے ڈھلکتے آنسو پونچھے اور اپنے ایک سنگی کے کندھوں کا سہارا لے کر ہسپتال سے باہر نکل آئے۔ ہلکے ہلکے قدموں سے مسجد کی طرف بڑھے، نماز ادا فرمائی اور گاڑی میں بیٹھ کر یوں روانہ ہوئے، جیسے تارے نگاہوں سے پس اُفق ڈوب جائیں۔

وہ تارے جن میں محبت کا نور تاباں تھا
وہ تارے ڈوب گئے لے کے رنگ ورعنائی
سلا گئی تھیں جنہیں تیری ملتفت نظریں
وہ درد جاگ اٹھے پھر سے لے کے انگڑائی

امید ہی زندگی ہے

آصف بلال آصف

موجودہ زمانہ ایسا دردناک زمانہ ہے کہ اس میں بہت سے فتنے اپنا سر اُٹھا چکے ہیں اور لوگوں کی فطرت میں لاپرواہی پنہاں ہوچکی ہے۔

جو لمحہ لمحہ آفات کا پیش خیمہ بنتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔

زمانے کی اس بے باکی نے پرانے وقتوں کی محفلوں کو بھلا دیا ہے ان کی یادوں کو برباد کر دیا ہے۔۔۔۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی کی شاخوں سے نمی تک جاتی رہی ہے۔۔۔۔

یعنی زندگی میں وہ شادابی نہیں رہی جو زندگی کا حسن ہوا کرتی تھی۔۔۔۔۔

موجودہ زمانے نے اپنے آپ کو کچھ اس طرح سے ظاہر کیا ہے۔۔۔۔۔

اپنے آپ کو ایسے اُجاگر کیا ہے کہ اپنے جلووں سے ہمیں ہمارا ہی نہیں رہنے دیا۔۔۔

یعنی وہ اقدار جو ہمارے بزرگوں سے ہم تک منتقل ہوئی تھیں ہم نے ان کو کھو دیا ہے۔۔۔۔

یوں ہم نے عہد رفتہ کی روشنی کو چھوڑ کر عہد موجود کے اندھیروں کو سمیٹ لیا ہے۔۔۔۔۔

اور اس طرزِ حیات نے ہمارے ساز سے آواز تک کو چھین لیا ہے۔۔۔۔۔

یعنی ہمیں آواز اُٹھانے کے قابل تک نہیں چھوڑا۔۔۔۔۔

ہمارے دلوں میں جو پرانی حرارت ہوا کرتی تھی۔۔۔۔۔

جو لا الٰہ الا اللّٰہ کی روشنی اور تجلی کی بدولت ہم میں زندگی کی اصل گرمی پیدا کیا کرتی تھی۔۔۔۔۔

ہم نے عصر حاضر کے ہاتھوں وہ حرارت بھی کھو دی ہے۔۔۔۔۔

اور اس طرح ہم ایک قوم کی حیثیت سے اس حرارت ایمانی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔

جب زندگی کی حقیقی بناوٹ مٹنے لگتی ہے۔۔۔۔۔

تو قومیں اپنے آپ کو اپنے اسلاف کی تقلید اور پیروی سے مضبوطی اور پائیداری دینے کی کوشش کرتی ہیں۔۔۔۔۔

لہٰذا ہمیں بھی یہی چاہیے کہ ہم بھی وہ راہِ مستقیم اختیار کریں جو ہمارے بزرگانِ دین کا راستہ ہے کیونکہ یہی ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر اپنے اندر اتحاد اور جمعیت کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔

اپنی نئی نسل، اپنے بچوں کو بھی یہ عظیم راستہ بتانا اور دکھانا ضروری ہے کیونکہ ہمارے بزرگانِ دین کا راستہ فرقہ واریت کے زہر سے پاک تھا۔ اور اسی وجہ سے ہی تمام ملت نظم وضبط پر قائم رہ سکتی ہے۔۔۔۔۔

لیکن عصر حاضر اپنے ساتھ فرقوں کی ایسی قینچیاں لے کر وارد ہوا ہے کہ جس نے ملت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔۔۔۔۔

اور لوگوں کو گروہوں اور جماعتوں میں بانٹ دیا ہے۔۔۔۔۔

ایسے حالات میں یعنی موسم خزاں میں جب درختوں کے پھل اور پھول جھڑ جاتے ہیں اس وقت امیدِ بہار ہی وہ خوش نما احساس ہوتا ہے جو زندگی کو گزارنے کا سبب بنتا ہے۔۔۔۔۔

اس لیے بہار کی امید اور انتظار میں ان درختوں سے تعلق نہیں توڑ لینا چاہیے جو ہماری بقا اور سلامتی کی علامت ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

یعنی اپنے بزرگوں کی روایات کو برقرار رکھنا چاہیے۔۔۔۔۔کیونکہ انہیں سے نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔اگرچہ آج کل فیس بک مُلا نے تباہی مچا رکھی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔لالچی عہدے داروں نے ملت کو لُوٹ لیا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔موقع شناس سیاست دانوں نے پوری قوم کو تباہ کر دیا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔زر پسند قاضیوں نے انصاف کے نام پر قوم پر ظلم روا رکھا ہوا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔متکبر بیوروکریسی نے ملت کے بدن سے خون تک چوس لیا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔طاقت کے نشے میں دُھت فوج اور پولیس نے قوم وملت کو جانوروں کے سٹیٹس سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔۔۔۔۔

اے میری قوم کے باوقار افراد ہمارا نقصان بہت بڑا ہے۔۔۔۔۔لیکن ہمیں اپنے نقصان کا ادراک تو ہونا چاہیے۔۔۔۔۔

اپنے نقصان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ ہم اپنے تھوڑے پانی والی ندی کا تحفظ کر سکیں۔۔۔۔۔

یعنی اپنی اقدار اور روایات پر قائم رہنے کی کوشش تو کریں۔۔۔۔۔

ہوسکتا ہے یہی ندی کس وقت پھر سے اونچے پہاڑوں کے معطر پانیوں کو اپنے اندر سمو لے اور پھر سے اس کی آغوش میں طوفان پرورش پائیں اور ہم اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت پھر سے حاصل کر لیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔آرزوئیں رکھنا ۔۔۔۔۔خواہشات کو پالنا۔۔۔۔۔زندہ ہونے کی علامت ہے۔

آرزوئیں زندگی ہیں۔۔۔۔۔آرزوؤں کو ترک کر دینا موت کا سامان ہے۔۔۔۔۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر امید سے مستحکم ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کبھی کسی حال میں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔۔

امید مسلسل آرزو سے جڑی رہتی ہے۔۔۔۔۔یا یہ کہہ لیجئے کہ امید آرزو کی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔

نا امیدی جہاں آرزوؤں کا خون کر دیتی ہے وہاں زندگی کے لیے بھی زہر قاتل ہے۔۔۔۔۔کیونکہ زندگی آرزو سے ہے۔

نا امیدی ہر ایک پل انسان کو زندگی سے دور کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔۔۔

زندگی سے بے زاری انسان کو قبر کے نزدیک کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔۔۔

اور انسان اونچے پہاڑ سے مایوسی کی کھائی میں گر جاتا ہے۔۔۔۔۔

ناامیدی انسان کی طاقت اور حوصلے کو چھین لیتی ہے اور انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔
-----اس طرح ناکامی کی سب سے بڑی وجہ بھی نا امیدی ہے-----
امید زندگی ہے جو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے-----اور نا امیدی موت ہے جو جیتے جی مار دیتی ہے-----
جیتے جی مرنا اس کو کہتے ہیں کہ ناامیدی زندگی کو سلا دیتی ہے-----
زندگی کے معمولات حرارتِ زندگی نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں-----
یعنی جوش وجذبہ برف آلود ہو جاتا ہے-----
لہٰذا ناامیدی عناصر کی کمزوری کی دلیل ہے-----
ناامیدی زندگی کی آنکھوں کے لیے اندھے پن کا سرما ثابت ہوتی ہے-----
یوں آنکھوں کی بینائی یعنی روشنی کو سیاہی میں تبدیل کر دیتی ہے-----
اور امید کی چمک سے جو زندگی کی حقیقتیں انسان دیکھ سکتا ہے وہ نا امیدی کی سیاہی سے ماند پڑ جاتی ہیں-----
اس لیے تو اقبال فرماتے ہیں کہ امید حوصلہ، ہمت اور قوت عطا کرتی ہے-----
نا امیدی کی پھونک سے زندگی کی طاقتیں مر جاتی ہیں-----
یہ زندگی کے رواں دواں چشموں کو خشک کر دیتی ہے۔اور زندگی بنجر ہو جاتی ہے-----
نا امیدی اور غم ایک ہی چادر اوڑھ کر سوتے ہیں-----
یعنی ناامیدی غم کو تقویت دیتی ہے اور غم اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے-----
جبکہ غم زندگی کی شہ رگ پر نشتر کی طرح ہے جو زندگی کو ختم کرنے کی درپے ہوتا ہے-----
اے شخص جو غم کے قید خانے میں قید ہے اسے نبی اکرم ﷺ کا قول باکمال یاد کرنا چاہیے-----
جب آپ ﷺ نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ”اے ابوبکر غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے“۔
یعنی امید ہی غم سے چھٹکارا دلانے والی چیز ہے-----
اور مسلمانوں کو تو امید ہی اللہ سے ہے جو کبھی ناامید نہیں ہونے دیتا-----
اللہ تعالیٰ کی رضا مسلمانوں کے لیے ستاروں کی طرح ہے-----لہٰذا مسلمان اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہیں-----
اور اپنی زندگی کے راستے میں ہر مشکل کو ستاروں کی طرح مسکراتے ہوئے جھیلتے ہیں-----
پیغام ابدی یہ ہے کہ اے انسان اگر تو اپنے مالک حقیقی پر ایمان رکھتا ہے تو غم سے آزاد ہو جا-----
ناامیدی سے چھٹکارا حاصل کر یعنی اللہ کی رضا میں راضی ہو جا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا وہ نہ چاہے تو کائنات کی کوئی طاقت تجھے دکھ نہیں پہنچا سکتی اور اگر وہ چاہے تو تجھے کائنات کی کوئی طاقت کسی پریشانی سے نجات نہیں دلا سکتی-----
لہٰذا اپنے ایمان کو مضبوط رکھ اور ہر قسم کے نفع ونقصان سے آزاد ہو جا کیونکہ ہر شے اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے۔
اے مسلمان -----میں تجھ سے مخاطب ہوں کہ تیری مجلس اب ویسی نہیں رہی جیسی پہلے تھی۔
تیرے سینے میں زندگی کی جو شمع روشن ہوا کرتی تھی وہ بجھ گئی ہے-----
جھوٹ اور منافقت کے غلاف نے دلوں کو سیاہ کر دیا ہے----
اپنے دل پر توحید کا چراغ رکھ-----
اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے یکتا ہونے کے معنی کو نقش کر-----
یعنی دل یادِ الٰہی سے معمور کر جو تیرا اصل کام ہے-----
ایسے کرنے کی کوشش کر کہ تُو اسی مقصد کے لیے بنا ہے-----
اور اپنے گزرے ہوئے وقتوں کے بزرگوں کی پیروی کر ان کے نقشِ قدم پر چل تا کہ تجھے تیرے مقصد میں کامیابی مل جائے-----
ناتجربہ کار عالموں کے اجتہاد سے بہتر ہے کہ اپنے اسلاف کے محفوظ راستے پر چلا جائے-----
کیونکہ ان کی سوچیں قابل اعتبار اور باریک بین تھیں-----
اور ان کا تقویٰ حضرت محمد ﷺ کے زیادہ قریب تھا۔
اب ان معتبر بزرگوں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور رازی کی کوششیں باقی نہیں رہیں اور ملتِ اسلامیہ کے پاس وہ پہلے والی آبرو اور توقیر بھی باقی نہیں رہی یعنی ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہیں-----
جو ہمارے اپنے آپ کو کھو دینے کے مترادف ہے-----جس کی وجہ سے ذلت ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔
ہماری اپنی کمزوریوں کی وجہ سے دین کا راستہ ہم پر تنگ ہو چکا ہے----
اور اسی وجہ سے اب ہر کوئی دین کا راز دار بنا پھرتا ہے----
اور اپنے آپ کو دین کے معتبر لوگوں میں گردانتا ہے-----
جبکہ خاندانِ رسول ﷺ کی آبرو کی حفاظت کرنے سے بھی گریزاں ہے----
اے دین کے رازوں سے دور اور ناواقف رہنے والے مولانا اگر تو اپنے آپ کو سوجھ بوجھ کا مالک سمجھتا ہے تو میرے شاہ جی کا پیغام سن اور اپنے پلے سے باندھ لے----
-----آئین محمدی ﷺ یعنی قرآن پاک کے ساتھ جڑ جا---اور قرآن کے ساتھ وفا کر
----اور
-----خاندانِ رسول ﷺ سے محبت کر اور ان کی اتباع کر-----
کہ اسی میں تیری فلاح کے پہلو چھپے ہوئے ہیں-----
دین محمدی ﷺ ہی وہ آئین ہے کہ جس کے سبب سے مسلمان زندہ ہیں-----
قرآن مجید ہی سے مسلمانیت ہے-----اور ملتِ اسلامیہ بھی اسی کے فیض سے ملتِ اسلامیہ کے رتبے پر فائز ہے-----
ہمارے دلوں اور ہمارے جسموں کو باخبر رکھنے والا یہی قرآن مجید ہے----
یہی اللہ کی مضبوط رسی ہے-----
جس کو مضبوطی سے پکڑ کے رکھنا مسلمانیت کی معراج ہے-----
اے مسلمان اپنے آپ کو موتیوں کی طرح قرآنِ مجید کے دھاگے میں پرو لے-----
اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو-----گرد وغبار کی طرح پریشان ہو کر بکھر جائے گا-----

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلمہ طیبہ کے معنیٰ

مولانا شبیر حسن عثمانی

اسلام کا پہلا رکن کلمہ طیب ہے۔ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا۔اب اس کا پیارا ہو گیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا۔ اب جنت کا دروازہ اس کے لیے کھل گیا۔ یہ انقلاب صرف یہیں تک محدود نہیں۔اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ جو اس کلمے کے پڑھنے والے ہیں۔ وہ ایک امت ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں، وہ دوسری امت ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ باپ نہ رہا۔ بیٹا بیٹا نہ رہا۔ باپ کی جائداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں اور بہنیں اس سے پردہ کریں گی۔غیر شخص اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور اس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد تو اس گھر سے ورثہ پائے گی۔مگر یہ اپنا صلبی بیٹا صرف اس وجہ سے کہ کلمہ کو نہیں مانتا غیروں کا غیر بن جائے گا۔ گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہے کہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے۔حتیٰ کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہے کہ خون اور رحم کے رشتے بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

کلمہ طیبہ کے معنیٰ

کلمہ طیبہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اس کلمہ میں لفظ الہ کے معنی خدا کے ہیں۔تو لا الہ الا اللہ کے یہ معنیٰ ہو گئے کہ خدا ایک ہے اور اس کی ایک ذات کے سوا کسی کی خدائی نہیں۔ وہی ہمارا اور سارے جہان کا مالک، خالق اور رازق ہے۔زندگی اسی کی طرف سے ہے۔ مصیبت اور راحت اسی کی طرف سے ہے۔ اسی سے مانگنا چاہیے۔ اسی کے آگے سر جھکانا چاہیے۔اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔ بہر حال لا الہ الا اللہ ایک عہد و پیمان ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ عہد و پیمان ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری کا سنگ بنیاد ہے۔ اگر بنیاد مستحکم ہے تو اس پر جو عمارت بنے گی وہ بھی مستحکم ہو گی۔ اگر بنیاد ہی کمزور یا غلط ہے تو انجام معلوم۔ یہ عہد کوئی بچوں کا قول نہیں ہے۔خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار نامہ کرنا سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جب اقرار کرو تو خوب سوچ سمجھ کر و۔کوئی زبردستی نہیں۔ زبانی اقرار محض بیکار ہے۔لا اکراہ فی الدین۔

لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد اس کے احکام وامر ونواہی بتانے والے حضور سرور عالم ﷺ کی رسالت کا اعتراف کر لیا۔اس اقرار کے یہ معنی ہوئے کہ جو قانون اور جو طریقہ حضور ﷺ نے بتا دیا ہے اس کی پیروی کریں گے اس اقرار کے بعد اگر ہم حضور ﷺ کے لائے ہوئے قانون کو پس پشت ڈال کر دنیا کے قانون کو مانیں گے تو ہم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جھوٹا اور بے ایمان نہ ہو گا۔ان محض دو اقرار و اعتراف کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور یہی اسلام اور عبودیت کی پہلی منزل ہے۔ یاد رہے کہ صرف زبانی اقرار متذکرہ بالا انقلاب پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں۔تاوقت یہ کہ دل میں اس کی جگہ اور بنیاد نہ ہو۔ قیامت کے دم جب دنیاوی اعمال کا حساب کتاب ہو گا۔تو خدا کی مقرر کردہ سی آئی ڈی پولیس کی رپورٹ اور شہادت پیش ہو گی۔

تو اس وقت نہ تو تمہاری غلط اعتقادی کام آئے گی اور نہ کوئی عذر مسموع ہو گا اسلام صرف ایسی چیز نہیں کہ زبان سے اقرار رسالت کر لیا جائے اور بس اور اپنی زندگی سے اس اقرار کی توثیق وسند پیش نہ کی جائے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

فضائل کلمہ طیبہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور آقائے دو عالم ﷺ سے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالتِ مناجات میں بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے پاک ذات مجھے کوئی ایسا کلمہ یا اسم اعظم بتایا جائے کہ مجھے جب تجھے پکارنا ہو تب اسی کلمہ سے پکار لیا کروں۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ تم لا الہ الا اللہ کہا کرو اور یہی اسم پڑھ کر پکارا کرو۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا الٰہی اس کلمہ کو تو عام طور پر سب جانتے ہیں۔اس میں میری کیا خصوصیت ہوئی۔الٰہی میں تو ایک ایسا خاص کلمہ چاہتا ہوں جس کا علم میرے سوا کسی دوسرے شخص کو نہ ہو۔ جواب ملا۔اے موسیٰ تو نے اس کلمہ کی قدر نہ کی یہ تو خاص الخاص کلمہ ہے کہ اگر ساتوں طبق آسمان اور زمین کے کسی ترازو کے پلہ میں رکھے جائیں اور صرف لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو یہ کلمہ طیبہ بھاری اور وزنی رہے گا۔ (نسائی شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ عرش الٰہی کے سامنے ایک عظیم الشان نور کا ستون ہے جب کوئی شخص دنیا میں لا الہ الا اللہ منہ سے نکالتا ہے تو وہ نورانی ستون خود بخود جنبش میں آجاتا ہے۔اس وقت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ستون ٹھہر جا حرکت نہ کر۔ستون عرض کرتا ہے الٰہی جب تک لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کی بخشش نہ ہو گی تب تک اس کی سفارش اور شفاعت کے لیے حرکت کرتا رہوں گا ارشاد ہو گا اچھا ہم نے بخش دیا۔ یہ سن کر وہ ستون فی الفور ٹھہر جاتا ہے۔

سردار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے

دن ایک شخص کو رب العالمین اپنے قریب بلائے گا اور اس کے گناہوں کے بڑے دفاتر اس کو دکھائے گا۔ اے بندۂ گنہگار دیکھ یہ تیرے گناہ ہیں۔ بندۂ گنہگار عرض کرے گا ہاں یہ سب میرے گناہ ہیں اور وہ ننانوے دفتر گناہوں کے ہوں گے اور ہر ایک دفتر گناہ کا جہاں تک نظر پہنچے گی وہاں تک لمبا ہوگا اس وقت بندۂ گناہگار بیان کرے گا کہ اب تو میں ضرور بالضرور ہلاک ہوا اور دوزخ کا مستحق ہوا تب ارحم الراحمین کی طرف سے بندۂ گناہگار کو ارشاد ہوگا کہ اے بندے تیری ایک نیکی ہمارے پاس پوشیدہ رکھی ہے۔ اس کو اور ان ننانوے دفتروں کو میزان پر لے جا اور تلوا لے اگر گناہ بھاری ہوئے تو تیرا مقام دوزخ ہوگا اور نیکیاں بھاری ہوئیں تو تیرا مقام جنت ہے۔ بندۂ گنہگار عرض کرے گا۔ خداوند کہاں صرف ایک نیکی کا چھوٹا سا پرزہ۔ ارشاد ہوگا: بندۂ گنہگار جا آج کوئی بات چھپی نہ رہے گی تو اس پرچہ کی حقیقت سے واقف نہیں وہ بیچارہ گناہوں کے ننانوے دفتروں کو اٹھا کر لے جائے گا اور میزان میں رکھے گا۔ جس وقت فرشتہ ترازو اٹھائے گا تو وہ دفتر نہایت ہلکے اور پرزہ نہایت وزنی ہو جائے گا۔ تب یہ بندہ نہایت ہی حیرت سے اس پرزہ کاغذ کو دیکھے گا۔ اس میں لکھا ہوگا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** تب فرشتے پکاریں گے۔ جاؤ تمہاری بخشش ہوگئی۔

(ترمذی)

روایت ہے کہ امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم خچر پر سوار تھے۔ اتفاق سے شہر نیشاپور میں پہنچے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر نقاب پڑا ہوا تھا۔ جس وقت آپ کی سواری بازار میں پہنچی تو امام ابی زرعہ رازی اور محمد بن اسلم موسیٰ آپ سے آکر ملے۔ ان دونوں محدثوں کے ساتھ کئی ہزار سامعین اور طالبین حدیث کا مجمع تھا۔ ان حضرات نے جب امام موصوف کی سواری آتی دیکھی تو دوڑ کر رکابیں پکڑ لیں اور عرض کیا یا سید ابن السادات للہ ہمیں اپنا جمالِ مبارک دکھایے اور کوئی ایسی حدیث ضرور سنا دیجیے جس کی سند صرف آپ رضی اللہ عنہ کے خاندانِ مبارک تک محدود ہو یہ سن کر حضرت امام علی رضا نے اپنا چہرہ مبارک نقاب سے ظاہر کیا اور فرمایا۔

یہ حدیث بیان فرمائی مجھ سے میرے والد موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے اور انہوں نے روایت کی اپنے والد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے روایت کی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے روایت کی حضرت سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے روایت کی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے روایت کی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ سے اور انہوں نے روایت کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیان کیا کہ انہوں نے حضور رب العزت سے سنا کہ **لا الہ الا اللہ** میرا قلعہ ہے جس نے **لا الہ الا اللہ** کہہ لیا وہ میرے امن کے قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے بچا اور محفوظ ہو گیا یہ حدیث بیان فرما کر امام علی رضا رضی اللہ عنہ نے نقاب اپنے چہرۂ انور پر ڈال لیا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث شریف جب حاکم ساروا (ملک فارس کے ایک شہر کا نام ہے) کو پہنچی تو اس نے سونے کے پانی سے لکھوا کر اس حدیث کو نہایت تعظیم سے اپنے پاس رکھا۔ اس حاکم کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہو خدا کے ہاں کیسی گزری تو اس حاکم نے کہا کہ مجھے میرے حاکم نے **لا الہ الا اللہ** کی تعظیم اور ایمان لانے سے بخش دیا۔

(تاریخ آثار الاول نیشاپور)

(بشکریہ ماہنامہ آئینہ)

بقیہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بوعلی بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت بلال کی قبر کے نزدیک سویا ہوا تھا تو میں نے خواب دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب نبی شیبہ سے ایک معمر شخص کو آغوش مبارک میں لیے ہوئے تشریف لائے اور مجھے حیرت زدہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا امام اور تمہارے ملک کا باشندہ ابوحنیفہ ہے۔

آپ کا مقام

نوفل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور لوگ حساب کتاب میں مشغول ہیں اور حوض کوثر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطراف بہت سے بزرگ کھڑے ہیں اور امام ابوحنیفہ لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ میں حضور کی اجازت کے بغیر کسی کو پانی نہیں دے سکتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پانی دے دو چنانچہ امام صاحب نے مجھ کو ایک گلاس پانی دے دیا اور سیراب ہو کر پینے کے باوجود بھی پانی میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی، پھر میں نے امام صاحب سے تمام بزرگوں کے نام دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ دائیں جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق ہیں اس طرح آپ نے سترہ افراد کے نام بتائے جن کو میں انگلیوں کے پوروں پر شمار کرتا رہا اور بیداری کے بعد انگلیوں کے سترہ پورے بندھے ہوئے تھے۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواب میں پوچھا کہ میں آپ کو کس جگہ تلاش کروں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوحنیفہ کے پاس، چونکہ امام صاحب کے تفصیلی مناقب بیان کرنا بے حد مشکل ہیں اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا گیا۔

روحانی سوغات

یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں روحانی سوغات ہیں۔ ہمیں اُن باتوں کو خود پر سائے کی طرح نہیں گزارنا چاہیے، قیامت تک کے لیے مشعل راہ اور حرز جان بنا لینا چاہیے۔

حاصل زندگی تو بس یہی متاع گراں بہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سوچوں کی ان دیکھی گرہیں بالآخر کھل جائیں گی۔

منجانب: حافظ الیکٹرک اینڈ الیکٹرونکس، فیروزپور روڈ، لاہور

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی میں حضرت مولائے کائنات، مولا علی، شیر خدا، مشکل کشا کی ولادت کے موقع پر جشن کی تقریب بذات خود صحیح فکر کی بین دلیل تھی۔ شاہ جی کے اردگرد سادات کرام کا جمِ غفیر اس بات کا اعلان کر رہا تھا کہ ہم پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ساتھ ہیں ان کی فکر کے موید ہیں اور ان کے عقیدہ پر مہر تصدیق ثبت کرنے والے ہیں۔ اتنے سادات باطل پر جمع نہیں ہو سکتے۔

قرآن کے حق ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ "ذالک الکتاب لاریب فیه" اور قرآن کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی آل کو جوڑا ہے، گویا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جدھر قرآن ہوگا ادھر ہی آل رسول ہوگی تو شاہ جی قبلہ کے ساتھ آل رسول اور سادات زماں کا بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ شاہ جی کی ہر فکر حق ہے اور شاہ جی کا ہر قول سچ ہے۔ قرآن حق ہے، مولا علی حق ہیں اور قرآن کے ساتھ اولادِ رسول حق ہے۔

کیا سہانا منظر تھا، شاہ جی کے ساتھ حضرت سید فیصل شاہ جی، حضرت سید نعمان شاہ جی، حضرت سید عبد اللہ شاہ جی، حضرت سید ضیا الحق جیلانی شاہ جی، حضرت سید اسرار حسین شاہ جی، سید عظمت حسین شاہ جی، سید سجاد گیلانی شاہ جی و دیگر سادات اپنے روشن روشن چہروں سے اعلان فرما رہے تھے کہ شاہ جی قرآنی فکر رکھنے والے مفکر ہیں، آج اگر کوئی شخص قرآنی فکر اپنانا چاہتا ہے تو اسے شاہ جی کی فکر اپنانی ہوگی، اسے شاہ جی کا گرویدہ ہونا ہوگا اور شاہ جی کے فکری نکات کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مولائے کائنات کی ولادت پر منایا جانے والا یہ جشن بالکل سالانہ اجتماع کی نظیر پیش کر رہا تھا، جس میں پنڈی، اسلام آباد مضافات کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگ وفود بھی شریک محفل تھے۔ اس موقع پر لوگوں کا جمگھٹا اور جوش خروش دیدنی تھا۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ کی محبت ہر شخص کے چہرے سے عیاں تھی، چہرے پھولوں سے زیادہ تر و تازہ نظر آ رہے تھے اس لیے کہ ذکر علی سے مومن کے چہرے کھل جاتے ہیں، آج ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ ان کا اندر کتنا روشن ہے، کتنا اجلا ہے اور کتنا نورانی ہے، کیوں نہ ہو، یہ شاہ جی کے پاس بیٹھنے والے ہیں، یہ شاہ جی سے افکار لینے والے ہیں، یہ شاہ جی کے راستے پر چلنے والے ہیں، ان سے زیادہ روشن کون ہوگا، ان سے زیادہ صاحبِ ایمان کون ہوگا۔

بہت سے قاری، نعت خوانان، علماء و مشائخ تقریب میں تشریف فرما تھے جن کے نام گاہے گاہے حضرت علامہ حافظ شیخ محمد قاسم لیتے رہے اور ان کو خوش آمدید کہتے رہے۔

حضرت سید ضیاء الحق شاہ جیلانی صاحب اپنے بھائی سید اسرار شاہ جیلانی علیہ الرحمہ کی رحلت کے صدمہ کے باوجود شاہ جی کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے گویا مولا علی کی محبت ہی ہمارے غموں کا مداوا ہے۔

چونکہ بہت سے علماء اور مشائخ اس جشن میں موجود تھے جن کے نام نہ تو مجھے معلوم ہیں اور نہ ہی یہ صفحات ایک ایک کے نام لکھنے کے متحمل ہو سکتے ہیں اس لیے صرف شاہ جی کی گفتگو پیش قرطاس ہے تاکہ سند رہے اور قارئین شاہ جی کی نور نور باتوں سے دیر تک منور ہوتے رہیں۔

شاہ جی کی گفتگو سے قبل دورانِ نقابت حافظ شیخ محمد قاسم نے جو شاہ جی کے رازدار بھی ہیں، ایک راز سے پردہ اٹھا دیا اور وہ یہ کہ۔۔۔۔ "شاہ جی کی مبارک ڈاڑھی مولا علی کی ڈاڑھی جیسی ہے"۔ اگرچہ یہ بات معروف ہے خصوصا سادات کرام میں یہ بات بہت مشہور ہے اور سادات شاہ جی کی مبارک ڈاڑھی کو بہت عقیدت و محبت سے دیکھتے ہیں لیکن عاجزی و انکساری کا مرقع بنتے ہوئے شاہ جی نے شیخ قاسم کو اس بات سے منع فرمایا کہ ہم تو مولا علی کے مبارک جوتوں سے لگی خاک جیسے بھی نہیں ہیں۔ اس طرح شاہ جی نے اپنی تقریر کے آغاز میں ہی ہمیں عاجزی و انکساری اور مولا علی کی تعظیم کا سبق دے دیا۔ دیکھیے کتنی دور کی سوچ ہے شاہ جی کی اور کتنی حسین سوچ ہے آپ کی۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر ہم بھی اپنی ذات پر چڑھاوے چڑھانے لگ گئے تو دین کا کام کون کرے گا، ہماری قوم کو فکر اور شعور کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ اس وقت بڑا بننے کے چکر میں بڑوں کو چھوٹا ثابت کر رہے ہیں"۔

شاہ جی نے مندرجہ بالا جملہ میں ہمارے دور کی ایک بڑی بیماری کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر ہم شاہ جی کے اسی جملہ پر توجہ دیں تو بہت سے فتنے خود بخود ختم ہو سکتے ہیں، آج کل ہر چھوٹا اور کم ظرف سواد اعظم کو چھوٹا بنانے پر تلا ہے۔ کیا خوبصورت ارشاد ہے نبی کریم ﷺ کا کہ "قربِ قیامت میں لوگ اپنے بزرگوں پر طعن و تشنیع کریں گے"۔

مولا علی کے بارے میں شاہ جی نے فرمایا کہ "علی نام ہی ایسا ہے جس میں نیچا ہونے کا تصور ہی نہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں علی سے جوڑ دیا ہے"۔

پیر سید ریاض حسین شاہ جی نے اپنی گفتگو کا مرکزی نکتہ مولائے کائنات کا ایک خطبہ بنایا جس میں آپ نے فرمایا کہ مولا علی کا خطبہ سن کر آپ لرز جائیں گے، اس لیے کہ جہاں علی کی تلوار کافروں کا جسم کاٹتی ہے وہیں علی کی زبان بھی کفر کو کاٹتی ہے۔

مولاعلی کے خطبے کا پہلا لفظ ہے "فاین تذھبون" لوگو! تم کدھر جارہے ہو۔۔۔الفاظ کے ساتھ کھیلنے والے شاہ جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا لوگو! تمہاری گالیوں کا جواب یہ ہے۔۔۔۔۔

فاین تذھبون۔۔۔۔۔فاین تذھبون۔۔۔۔۔

تم کدھر جارہے ہو، تم کدھر جارہے ہو۔

شاہ جی کا ایک جملہ سنیں اور خدا کی قسم شاہ جی کے اس جملہ پر میری ساری زندگی کے سارے جملے بھی قربان ہوں تو حق ادا نہ ہو۔۔۔۔۔وہ جملہ ملاحظہ ہو:

"این تذھبون۔۔۔قلم گھسیٹنے والے گدھا بانو!!! تم کہاں جا رہے ہو۔۔تم کہاں جا رہے ہو۔۔۔تم کہاں جارہے ہو"۔

شاہ جی نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں نبی کریم ﷺ نے مولاعلی کو مدینہ شہر میں چھوڑا۔ اصل میں حضور ﷺ جانتے تھے کہ لڑائی ہونی ہی نہیں لیکن مدینہ شہر میں منافقین اسی تاک میں ہیں کہ مسلمان مرد چلے جائیں تو یہ مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو تکلیف پہنچائیں چنانچہ حضور ﷺ نے مولاعلی کو شہر مدینہ میں چھوڑا کیونکہ علی وہ ہیں جن کے قدموں کی چاپ سے ہی دشمن لرز جاتا ہے، کفر کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

انگلینڈ سے کسی نے شاہ جی سے ایک سوال کیا کہ مولاعلی کی پیدائش کا وقت کون سا تھا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کا وقت فجر کا تھا تو مولا علی کی ولادت کا وقت کیا تھا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ تیرہ رجب کو جمعہ والے دن، عشا کی نماز کے وقت مولاعلی کی ولادت ہوئی، دیوار کعبہ پھٹی، حضرت فاطمہ بنت اسد اندر گئیں اور ولادت باسعادت وقوع پذیر ہوئی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو طالب پہلے وہاں پہنچے یا کہ حضور ﷺ پہلے وہاں پہنچے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی اور اعلان نبوت حضور ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں کیا، گویا دس سال مولاعلی حضور ﷺ کی بانہوں میں رہے اعلان نبوت سے قبل۔ حضور ﷺ نے اپنی زبان مولاعلی کے منہ میں رکھی اور جب تک مولاعلی چوستے رہے حضور ﷺ چسواتے رہے، حتیٰ کہ مولاعلی کو نیند آ گئی اور آپ حضور ﷺ کی مبارک زبان چوستے چوستے محو آرام ہو گئے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضور ﷺ نے اپنی زبان حضرت علی کو ہی چسوائی تھی۔

ابن کثیر اور خفاجی کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ حضرت علی کا لقب "کرم اللہ وجہہ" ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم اللہ وجہہ صرف اس کا لقب ہو سکتا ہے جس نے زندگی بھر کسی بت کے سامنے سجدہ نہ کیا ہو۔ جلال الدین دوّانی کے حوالے سے فرمایا: مولا علی شکم مادر میں تھے تو جب کبھی حضور ﷺ سامنے آتے تو حضرت فاطمہ بنت اسد حضور ﷺ کی تعظیم میں کھڑی ہو جاتیں اور فرماتیں کہ میرے پیٹ میں بچہ گویا مجھے مجبور کر دیتا ہے کہ میں حضور ﷺ کی تعظیم کروں، گویا کرم اللہ وجہہ وہ ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ میں بھی تعظیم مصطفےٰ کرنے والا ہو۔

اس کے بعد شاہ جی نے فرمایا کہ یہ لقب مولا علی کو کب ملا؟ فرمایا کہ جب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ **النظر الیٰ وجہ علی عبادۃ** (علی کی جانب نظر کرنا بھی عبادت ہے) تو اس ارشاد کے بعد مولاعلی کا لقب کرم اللہ وجہہ ہو گیا اور صحابہ حضرت علی کو کرم اللہ وجہہ کہنا شروع ہو گئے۔

یہ کچھ کلمات ہیں جو خلاصۂ قارئین کے لیے نذرِ قرطاس کیے ہیں، مقصود فقط حاضری اس در کی ہے۔

کاش اللہ ہمیں شاہ جی جیسی عبقری شخصیت کی توجہ عطا فرما دے۔ اللہ ہمیں ان کی فکر پر استقامت عطا فرمائے اور شاہ جی کی محبت وعقیدت کے عالم میں موت عطا فرمائے، ہمارا جینا، ہمارا مرنا، ہمارا قیامت کو اٹھنا شاہ جی پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے غلاموں کی حیثیت میں فرمائے آمین ثم آمین۔

زندگی امتحان ہے اور موت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہے۔ ایک اچھا انسان سمجھتا ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں کو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ وہ لوگ جو خوشی اور غم، مشکلات اور آسانیاں سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اصحاب ایمان ہوتے ہیں اور وہ ارباب محبت ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔ ایمان والوں پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی رہتی ہے۔ مشکل وقت میں اور خوشی کے لطیف لمحات میں شخصیت کو بلند رکھنا کرامت ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ اس عزت کو سنبھال کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ دلوں کا پُرسکون رہنا، آنکھوں کا ٹھنڈا رہنا، اردگرد کی فضا کا خوشبوؤں میں ڈوبا رہنا، عبادتوں میں رحمتوں اور انوار کی بارشیں برستے رہنا یہ اللہ ہی کی طرف سے کرم کی سوغاتیں ہیں جو خاص خاص لوگوں کو وہ عطا فرماتا ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد عتیق، مکہ ڈینٹل کلینک لیاقت آباد کوٹ لکھپت، لاہور